ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

بچوں کا اسلام

1123

اتوار
۱۵ شعبان ۱۴۴۵ھ
مطابق ۲۵ فروری ۲۰۲۴ء

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

پھر سے گھڑی اور ہم

کڑا امتحان

قیمت: ۴۰ روپے

ہمیشہ زندہ رہنے کی امید

القرآن

اور آپ انھیں حیات کا حریص اور لوگوں سے بڑھ کر پائیں گے اور مشرکین میں سے بھی ہر ایک اِس ہوس میں ہے کہ اس کی عمر ہزار برس کی ہو جائے اور یہ امر عذاب سے تو نہیں بچا سکتا کہ لمبی عمر مل جائے اور ان کے سب اعمال اللہ تعالیٰ کے پیشِ نظر ہیں۔

(سورۃ البقرہ: آیت 96)

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید

الحدیث

حضرت فضالۃ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! جو شخص آپ پر صدقِ دل سے ایمان لائے اور میرے رسول اللہ ہونے کی گواہی دے تو آپ اس کے دل میں اپنی ملاقات کا شوق ڈال دیجیے۔ اس کے لیے موت آسان کر دیجیے اور اس کو دنیا کا سامان بقدرِ ضرورت فراہم کیجیے۔''

(طبرانی)

بچوں کے ادب کا افتخار

دستک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ویسے تو ہر ''بڑا'' آدمی اپنی ذات میں ایک انجمن ہوتا ہے کہ اُس کا نام سنتے ہی بنا مزید ایک لفظ کہے اس کی شخصیت اُس کے تمام کارناموں کے ساتھ آنکھوں کے سامنے نقش ہو جاتی ہے۔ سو نام سے ملی پہچان ہی بڑے آدمیوں کا اصل تعارف ہوتی ہے۔

ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر صاحب کا اسمِ گرامی بھی اپنے منفرد کارناموں کے ساتھ کچھ ایسا جڑ گیا ہے کہ نام سنتے ہی ''بچوں کا ادب'' اور اس کی ترقی کے لیے آپ کی عشروں پر مبنی خدمات یکا یک نگاہ میں مصوّرسی ہو جاتی ہیں۔

بچوں کا اسلام کے قارئین ڈاکٹر صاحب سے بہت اچھی طرح واقف ہوں گے کہ ابتدا ہی سے ان کی تحریریں بچوں کا اسلام کی زینت بنتی رہی ہیں مگر، اِس کے باوجود ایک اعتراف آج ہمیں یہ کرنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے دو چار ملاقاتوں اور محفلوں و کانفرنسوں میں آپ کی بچوں کے ادب کے حوالے سے کی جانے والی کاوشوں کی بابت بارہا سننے کے باوجود آپ کی شخصیت اور خدمات کے بہت ہی کم پہلوؤں سے ہم واقف تھے۔ آپ کے بے شمار بڑے کام اور ادب اطفال کے لیے بڑی اونچی خدمات ہماری نگاہ سے اوجھل تھیں، جو آج ان پر لکھی گئی ایک کتاب ''بچوں کے ادب کا افتخار'' کے توسط سے سامنے آگئیں۔

محفلوں میں جب بھی آپ کا ذکر خیر آیا تو زیادہ سے زیادہ آپ کی دعوۃ اکیڈمی کے تحت کی جانے والی تربیتی ورکشاپس ہی کا ذکر ہوا، مگر آپ کا قابلِ رشک تعلیمی کیریئر، بطور لکھاری بچوں کے ادب میں سولہ اوّل ایوارڈ یافتہ اور کل ۵۴ کتابیں اور ان کے ۲۴، ۲۴ ایڈیشن، اسی طرح بطور مدیر کئی اہم رسائل کی ادارت، نیز بطور خادمِ ادبِ اطفال ''دعوۃ اکیڈمی'' میں پچیس برس تک بے شمار بڑے اور وقیع کام: پاکستان ینگ رائٹرز فورم کے تحت پندرہ سے زائد تربیتی ورکشاپس، گلدستہ اسلامی خط کتابت کورس، چلڈرن لٹریچر کمیٹی دعوۃ اکیڈمی، چلڈرن ماڈل لائبریری، دعوۃ ادبی ایوارڈز، بلحاظِ عمرِ اطفال کتب کی درجہ بندی، آل پاکستان انعامی تحریری مقابلے، یہ سب صرف ایک شخص کی طرف سے اتنے شاندار خیال اور کام ہیں کہ ایک ادارہ بھی ہوتا تو شاید اِس منظم اور مربوط انداز میں انجام نہ دے پاتا۔

بطور ادبِ اطفال کے لکھاری یقیناً ڈاکٹر صاحب سے زیادہ بڑے اور مشہور نام ہمارے ہاں موجود ہیں، جن کی ادبی خدمات آپ سے بہت زیادہ ہوں گی، مگر یہ بات ڈنکے کی چوٹ پر کہی جا سکتی ہے کہ پاکستان میں اگر کسی ایک شخص کا نام لینا ہو جس نے ادبِ اطفال کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تو صرف اور صرف ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر کا نام ہی پیش کیا جا سکتا ہے۔

اور یہ کوئی جذباتی بیان نہیں، نہ صرف ایک شخصیت کو خوش کرنے کے لیے کوئی رسمی بات ہے جیسا کہ عموماً تاثرات لکھتے ہوئے مبالغہ کر لیا جاتا ہے، نہیں بلکہ جتنے بڑے بڑے کارنامے ڈاکٹر صاحب کے کریڈٹ پر ہیں، اُن سے واقف ہو کر تو واللہ دل سے یہ نکلتا ہے کہ آپ کی بے لوث خدمات کے اعتراف میں آپ جیسے ''سرمایۂ افتخار'' کو حکومتِ پاکستان کی طرف سے ''بابائے ادبِ اطفال'' کا لقب دینا چاہیے اور یونیورسٹی کے دعوۃ اکیڈمی کے شعبہ بچوں کا ادب کا انتساب تو آپ کے نام سے ضرور ہی ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر افتخار کھوکھر صاحب کی خدمات کے اعتراف میں اہلِ علم وفضل نے اپنے تاثرات وقتاً فوقتاً پیش کیے ہیں۔ یہ اعترافات دل کو بڑا اطمینان بخشتے ہیں کہ زندگی ہی میں کیے گئے ہیں، مگر بات یہ ہے کہ اگر ایک بڑے کینوس پر یعنی ملکی سطح پر بھی ڈاکٹر صاحب کی خدمات کا اعتراف کیا جائے تو کتنی اچھی بات ہو......!

کتاب میں آپ کے خاندان اور والدین سے متعلق تفصیلات پڑھ کر بھی اندازہ ہوا کہ یہ دلکش پھول کس حسین چمن کی یادگار ہے!

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم ڈاکٹر صاحب کو تا دیر سلامت رکھیں اور آپ ادب اطفال کی ترقی اور ''ادب برائے بندگی'' کے لیے یونہی متحرک رہیں، آمین!

والسلام

محمد فیصل شہزاد

وہ بچے پریشان رہتے ہیں!

غلام محی الدین ترک

سورج غروب ہو چکا تھا۔ رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ ننھی چڑیا اڑتے اڑتے خاصی دور نکل آئی تھی۔ اندھیرا پھیلتے دیکھ کر وہ خاصی گھبرائی۔ وہ تھوڑی دیر فضا میں اڑتی رہی۔ اسے اپنی ماں چڑیا کی تلاش تھی مگر وہ اسے کہیں نظر نہ آئی۔ ننھی چڑیا جب سے اُڑنا سیکھی تھی، تب سے امی کو بتائے بغیر دور دور تک اڑتے رہنا اس کی عادت بن چکی تھی۔

چڑیا نے اسے ایک آدھ بار تاکید بھی کی تھی مگر ننھی چڑیا اپنی ماں کی باتیں سنتی ہی کب تھی۔

ننھی چڑیا نے چوں چوں کرکے شور مچایا مگر وہاں کوئی نہ تھا جو اُس کی آواز سنتا۔ اب تو وہ بڑی گھبرائی۔

''کیا بات ہے ننھی چڑیا! کیوں شور مچا رہی ہو؟''

چڑیا نے آس پاس دیکھا تو اسے کوئی نظر نہ آیا۔

''تم کون ہو اور کہاں ہو؟'' چڑیا نے جواباً پوچھا۔

''ارے چڑیا! میں بھی تمھاری طرح ننھا سا پودا ہوں۔ ذرا سامنے دیکھو۔''

چڑیا نے نظر دوڑائی تو اسے سامنے ہی ایک پودا نظر آیا۔

وہ اڑتی ہوئی اس پر بیٹھ گئی، پھر اچھل کود کرنے لگی۔

''ننھی چڑیا! آرام سے، ابھی تو میں چھوٹا سا ہوں، اچھل کود برداشت نہیں کر سکوں گا اور گر جاؤں گا۔'' ننھا پودا بولا۔

ننھی چڑیا نے اس سے معافی مانگی تو پودے نے اسے معاف کر دیا اور بولا: ''کوئی بات نہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی معاف کرنا پسند تھا۔ ابھی میں چھوٹا سا ہوں، میں جب بڑا ہو جاؤں گا تو تم خوب اچھل کود کرنا، میرے اوپر گھونسلا بنانا۔''

چڑیا ننھے پودے کی بات کاٹ کر بولی:

''جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو کیا میں چھوٹی رہوں گی جو اچھل کود کروں گی؟''

چڑیا نے یہ بات کہی تو ننھا پودا مسکرانے لگا۔

''اچھا، یہ بتاؤ کہ تم کیوں شور مچا رہی تھیں؟''

ننھی چڑیا بولی: ''دراصل رات ہونے والی ہے اور مجھے اپنے گھونسلے کا راستہ نہیں مل رہا۔ میری امی بھی بہت پریشان ہو رہی ہوں گی۔''

''اوہ، تو یہ بات ہے، تم چھوٹی ہو، تمھیں اپنی امی کے ساتھ ہی رہنا چاہیے تھا۔'' ننھا پودا بولا۔

''ہاں، یہ بات مجھے امی نے بھی کہی تھی، میں نے ان کی بات نہ مان کر غلطی کی۔'' ننھی چڑیا افسوس کرتے ہوئے بولی۔

''جو بچے بڑوں کی بات نہیں مانتے، پھر وہ پریشان رہتے ہیں۔'' ننھا پودا بولا۔

چڑیا اس کی بات سن کر رونے لگی۔

''اچھا اچھا اب روؤ تو مت، تم میری ڈالی پر بیٹھ کر رات کاٹ لو۔ صبح ہو تو دن کی روشنی میں اپنا گھونسلہ ڈھونڈ لینا۔''

چڑیا پودے کی ڈالی پر بیٹھ گئی۔ دونوں نے کافی دیر باتیں کیں، پھر سو گئے۔

صبح ہوئی تو چڑیا کی آنکھ کھلی۔

دونوں نے خدا کی حمد بیان کی، پھر چڑیا نے ننھے پودے سے اجازت لی اور بولی:

''دوست! میں تم سے اکثر ملنے آؤں گی۔''

پودے نے مسکراتے ہوئے اسے اجازت دے دی۔

چڑیا نے جیسے ہی اڑان بھری، اُسے دور ہی سے امی چڑیا نظر آ گئیں۔

وہ فوراً اڑ کر ان کے پاس پہنچی۔ وہ ایک بڑا سبق سیکھ چکی تھی۔

ننھی چڑیا نے امی چڑیا سے معافی مانگی اور ننھے پودے کے بارے میں بتایا۔

امی چڑیا نے ننھی چڑیا کو معاف کر دیا اور اس کے ملنے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

☆☆☆

ہمارا تمھارا

نورالامین ۔ میاں چنوں

جو سب کا ہے مالک، سبھی کا سہارا
وہی تو ہے خالق ہمارا، تمھارا
محافظ وہی ہے زمیں، آسماں کا
ہے تھکنے سے محفوظ مولا ہمارا
مشارق و مغارب کا داتا وہی ہے
بنا اس کے کیسے ہو اپنا گزارا
جوانی میں گر تم عبادت کرو گے
تو انعام دے گا تمھیں رب تمھارا
ہمارا گر ہو خدا پر بھروسا!
کرے وہ ہماری نہ ذلت گوارا
وہ خود پاک ہے کھانے پینے سے لیکن
کھلاتا ہے ہم کو وہ رازق ہمارا
خدا کی مدد ہی کے محتاج ہیں سب
نہیں کیونکہ اس کے سوا اپنا چارہ
کرو تم عبادت اسی کی ہمیشہ
دکھاتا ہے جو قدرت بے کنارا
وہی ہے محبت کے شہزاد لائق
جسے ہر نبی نے، ولی نے پکارا

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جا سکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زر تعاون: اندرون ملک 2000 روپے بیرون ملک ایک میگزین 25000 روپے دو میگزین 28000 روپے انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

طاؤس

دنیا کا ایک حسین ترین پرندہ جو اڑ نہیں سکتا!

ظفر شمیم

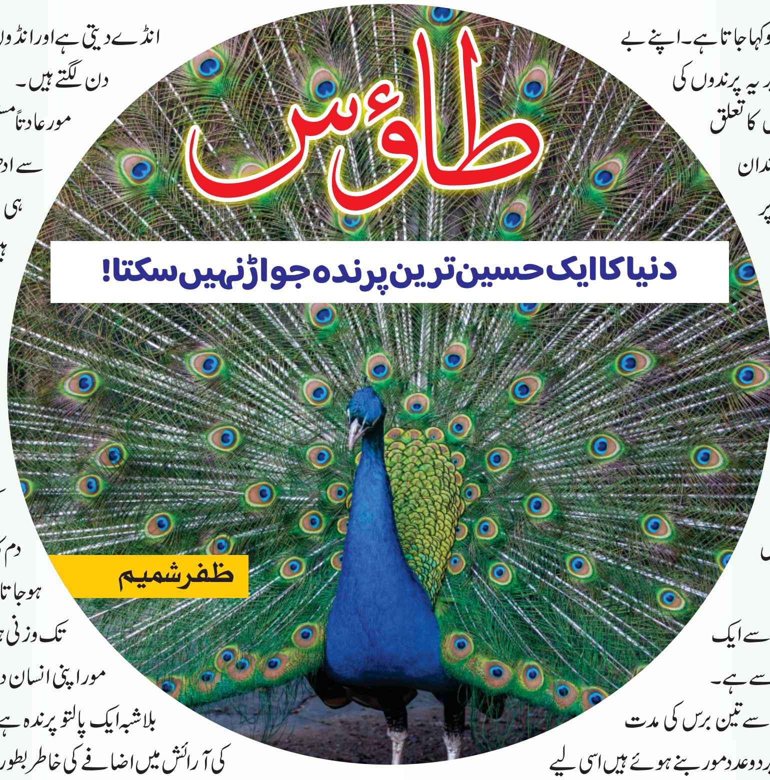

طاؤس فارسی زبان میں مور کو کہا جاتا ہے۔ اپنے بے مثال حسن اور خوبصورتی کی بنا پر یہ پرندوں کی دنیا کا با تاج بادشاہ ہے۔ اس کا تعلق اڑنے سے محروم پرندوں کے خاندان سے ہے۔ اس خاصیت کی بنا پر اس کا تعلق مرغیوں سے قریب ترین گردانا جاتا ہے۔ یہ صرف اتنا اڑ سکتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ زمین سے پھڑ پھڑا کر درخت پر جا بیٹھے۔ دنیا بھر میں اُن کی تیس اقسام پائی جاتی ہیں۔ ان کے دیدہ زیب رنگوں کی بناء پر ان کو مختلف انواع میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک ''تختِ طاؤس'' اسی کی مناسبت سے ہے۔

مغل بادشاہ شاہجہاں نے اسے تین برس کی مدت میں تعمیر کرایا تھا۔ چونکہ اس تخت پر دو عدد مور بنے ہوئے ہیں اسی لیے اس کا نام شاہجہاں نے بذاتِ خود ''تختِ طاؤس'' تجویز کیا تھا۔ خالص سونے سے بنایا گیا یہ تخت کندہ کاری اور کاریگری کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اس منقش تخت کی نظیر دنیا میں کہیں اور نہیں ملتی۔ اس تخت پر بنے موروں کے پنکھ سبز زمرد اور الماس سے آراستہ کیے گئے اور اسے خوب صورت ترین بنانے کے لیے ہیرے جواہرات کا استعمال کیا گیا جبکہ مور کی چونچوں میں قیمتی ترین موتیوں کی مالائیں لٹکائی گئیں۔ مشہور زمانہ ہیرا ''کوہ نور'' برطانوی تسلط میں جانے سے پہلے اس تخت کی زینت تھا۔ یہ تخت اب بھی موجود ہے اور ''البرٹ میوزیم لندن'' میں رکھا ہوا ہے۔

مور حشرات الارض کا دشمن ہے۔ خاص طور پر سانپ تو ان کی مرغوب ترین غذا ہے۔ اناج اور دوسری قسموں کے بیج وغیرہ بھی کھاتا ہے۔ بھارت اور افریقہ میں رہنے والے مور چوہے بھی مار کر کھا لیتے ہیں۔ مور کی ایک خاص اور اہم بات یہ بھی ہے کہ شیر، چیتا اور لگڑ بھگڑ وغیرہ کی نقل و حرکت سے فوراً باخبر ہو جاتا ہے، یعنی یہ اس معاملے میں دیگر پرندوں کی بہ نسبت زیادہ چوکنا اور ہوشیار واقع ہوا ہے۔ جونہی مذکورہ بالا جانوروں میں سے کوئی درندہ شکار پر حملہ آور ہونے کے لیے گھات لگاتا ہے۔ مور اونچی جگہ پر چڑھ کر شور مچا مچا کر شکار کو ہوشیار کر دیتا ہے اور بھگا دیتا ہے۔

دنیا کے بیشتر خطوں میں اسے ایک مقدس پرندہ سمجھا جاتا ہے۔ یونان میں اسے علم کی دیوی کا پرندہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ بلا کسی روک ٹوک گھومتے پھرتے ہیں۔

مور ایک خاندان یا گروہ کی صورت میں رہنا پسند کرتے ہیں اور ان کا یہ خاندان تین سے پانچ ماداؤں اور ایک یا دو نروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ بعض اوقات ان کے اس چھوٹے سے معاشرتی گروہ میں نومولود بچے بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ مورنی ایک وقت میں دو تا تین انڈے دیتی ہے اور انڈوں میں سے بچے نکلنے میں اکیس دن لگتے ہیں۔

مور عادتاً مستقل مزاج ہوتے ہیں اور ادھر سے ادھر محوِ سفر رہنے کے بجائے ایک ہی جگہ مستقل قیام کو ترجیح دیتے ہیں اور وہیں اپنی غذا بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

نر طاؤس بہت زیادہ حسین اور دلفریب ہوتا ہے اور اپنی انتہائی حسین اور شوخ رنگ دم اٹھا کر رقص بھی صرف نر مور کرتے ہیں۔ اس وقت ان کی دم کا پھیلاؤ چار سے چھے میٹر تک ہوتا ہے۔ یہ چھے سے دس کلو گرام تک وزنی ہوتا ہے۔

مور اپنی انسان دوست اور ملنسار طبیعت کی بنا پر بلاشبہ ایک پالتو پرندہ ہے۔ انھیں کسی بھی عمارت یا مقام کی آرائش میں اضافے کی خاطر بطور زیبائشی پرندہ رکھا جاتا ہے۔

کانگو اور جنوبی ایشیا کے بعض خطوں میں مور کا گوشت بڑی رغبت سے کھایا جاتا ہے۔ جب کہ مور کے پنکھ بے شمار آرائشی اشیاء کی تیاری میں استعمال ہوتے ہیں اور بہت قیمتی سمجھے جاتے ہیں۔

ابھی تک ان کی نسل ناپید ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مور کی اوسط عمر پچیس برس ہے۔ نیلے مور چھوٹے گروہوں کی صورت میں کوہستانی جنگلات میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ سفید مور افریقہ اور وسطی و جنوبی ایشیا میں پائے جاتے ہیں۔ سبز طاؤس بھارت، برما، سری لنکا اور چین میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ہمارے صوبہ سندھ میں یہی سبز مور بکثرت ملتے ہیں۔

شام ڈھلے جب یہ اپنے درختوں پر بنی پناہ گاہوں میں جانے لگتے ہیں تب ان کا با آواز بلند اور نہایت چبھتی ہوئی آواز میں چلانا کافی دور تک واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔

جوابات: آپ کتنے پانی میں ہیں؟ ۲۶

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی میں ایک ہی بار حج ادا کیا۔

(۲) پہلی جنگ عظیم کے دوران انقلابی تحریک کا آغاز مولانا محمود الحسن نے کیا تھا۔

(۳) نمازِ کسوف سورج گرہن کے دن پڑھی جاتی ہے۔

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چھے خچر تھے۔

(۵) جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو زمین کی تمام اشیا اس حرارت کو تیزی سے خارج کرنے لگتی ہیں جو انھوں نے دن میں سورج سے حاصل کی ہوتی ہے۔ پتھر، گھاس، پھول پتیاں وغیرہ اس حرارت کو اس حد تک خارج کرتے ہیں کہ ہوا میں موجود بخارات ٹھنڈے ہو کر قطروں کی شکل میں ان پر جم جاتے ہیں۔ یہی شبنم یا اوس کہلاتے ہیں۔

کڑا امتحان

اشتیاق احمد

سامنے آنے والے آخری پرچے نے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ پرچہ کسی آصف منیر کا تھا۔ پہلے سوال کے جواب میں، میں نے چاہا کہ اس کا ایک نمبر کاٹ لوں اور اسے نو نمبر دے دوں، لیکن میں پوری کوشش کے باوجود یہ نہ کرسکا۔ میں پورے دس نمبر دینے پر مجبور ہوگیا۔

اب باری تھی، دوسرے سوال کے جواب کی۔ میں نے سوچا، کوئی بات نہیں، اس سوال کے جواب کا ایک نمبر کاٹ لوں گا، لیکن میں اس وقت دنگ رہ گیا، جب اس جواب کو بھی سو فی صد درست پایا۔ میں کسی صورت میں اس سوال کے جواب کا نمبر بھی نہ کاٹ سکا، پھر تو مجھ پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ دس کے دس سوالات کے جوابات بالکل درست تھے اور اس امیدوار نے پورے سو نمبر حاصل کر لیے تھے۔ اب تو مجھے پسینہ آ گیا، ہوش اُڑ گئے، دماغ سائیں سائیں کرنے لگا کہ یہ کیا ہوگیا، لیکن اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے تمام پرچوں کی فہرست بنا دی اور فائل اٹھائے انوار صاحب کے کمرے میں داخل ہوا۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی سوال کیا: ''رزلٹ فہرست تیار ہوئی؟''

میں نے پریشانی کے عالم میں کہا: ''جج......جی سر!''

''خیر تو ہے حمزہ صاحب! آواز میں کپکپی سی ہے۔''

انوار صاحب کی نظریں میرے چہرے پر جم گئیں۔

''نن......نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''ہوں، بیٹھیے۔'' وہ بولے اور میں ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

انوار صاحب تمام امیدواروں کے نمبر دیکھنے لگے۔

وہ امتحانی پرچے پر نشان بھی لگاتے جا رہے تھے، پھر آخری نمبر پر وہ زوروں سے اچھلے:

''یہ یہ......کیا؟''

میں بھی گھبرا گیا۔ ''جی سر!؟''

''یہ آصف منیر کون ہے؟ اسے آپ نے پورے سو نمبر دیے ہیں۔''

''جج......جی سر!''

وہ گرجے: ''لیکن کیوں؟ کیا آپ میری ہدایت بھول گئے؟''

''نن......نہیں، میں نے تو اپنی پوری کوشش کی تھی کہ اس کے کسی ایک سوال کے جواب پر ایک نمبر کم دے دوں لیکن......'' میں یہ کہتے کہتے رک گیا۔

''لیکن کیا؟''

''لیکن میں اپنی کوشش میں ناکام ہوگیا۔ ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے بعد بھی میں نمبر کم نہیں دے سکا۔''

انوار صاحب نے غصے سے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا: ''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ ایک نمبر کم دینا بھلا، آپ کے لیے کیا مشکل تھا؟ قلم سے لکھنا ہی تو تھا۔''

''جی ہاں سر! قلم سے ہی تو لکھنا تھا، لیکن یہ کام میرے لیے اس قدر مشکل ثابت ہوا کہ بیان نہیں کرسکتا، اس امیدوار نے کہیں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔''

انوار صاحب کی آنکھیں سرخ ہوگئیں: ''رشوت؟''

''نن......نہیں سر! مجھ پر یہ الزام نہ لگائیں، میں نے اپنی زندگی میں کبھی رشوت نہیں لی۔''

''لیکن میری ہدایات کے باوجود آپ نے اس امیدوار کو پورے نمبر کیوں دیے؟ کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ پورے نمبر کسی امیدوار کو نہیں دیے جائیں گے۔''

''جی، آپ کی ہدایت مجھے اچھی طرح یاد تھی لیکن اس کے باوجود میں ایسا نہیں کرسکا۔ مجھے افسوس ہے سر! میں معافی چاہتا ہوں۔''

''آپ جانتے ہیں؟ میں اپنے ادارے میں کسی ایسے شخص کا وجود برداشت نہیں کرسکتا، جو میری ہدایات پر عمل نہ کرے۔''

''جی سر! مجھے یہ بات اچھی طرح یاد تھی۔''

''اور آپ نے اندر آنے سے پہلے فہرست کی ایک نقل باہر بورڈ پر بھی لگا دی ہے۔''

''جی سر! یہ بھی آپ ہی کی ہدایت تھی۔''

''آپ نے میرے ہاتھ باندھ دیے حمزہ صاحب! ننانوے نمبروں والے کئی امیدوار ہوتے تو میں ان میں سے اپنی مرضی کا امیدوار ملازم رکھ سکتا تھا، لیکن اب میں مجبور ہوں، مجھے آصف منیر ہی کو ملازمت دینی پڑے گی۔ ایسا لگتا ہے کہ رات کسی وقت اُس امیدوار نے آپ کے گھر پر آپ سے ملاقات کی ہوگی؟''

''نن......نہیں سر! آپ مجھے اتنا بڑا الزام تو نہ دیں۔ میری ملازمت کا پورا عرصہ آپ کے سامنے ہے۔ آپ نے یہ بات ہمیشہ تسلیم کی ہے کہ حمزہ بہت ایماندار ہے، دنیا اِدھر سے

اُدھر ہو جائے یہ کسی قسم کی ہیرا پھیری نہیں کر سکتا۔‘‘

یہاں تک کہ میں خاموش ہو گیا۔

’’آج سے پہلے میرا یہی خیال تھا، لیکن میرا خیال آج غلط ثابت ہو گیا۔‘‘

’’سر! آپ آصف منیر کا پرچہ دیکھ لیں۔‘‘

’’میں جانتا ہوں کہ آصف منیر نے پرچہ حل کرتے وقت کوئی کسر نہیں چھوڑی، اسے پورے نمبر لینے کا حق تھا، لیکن میری ہدایات یہ تھیں کہ کسی کو بھی ۹۹ نمبر سے زیادہ نمبر نہ دیے جائیں، بس سوال تو یہ ہے کہ آخر آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟‘‘

’’میں بتا چکا ہوں سر! میں نے اپنی طرف سے اس بات کی پوری کوشش کی تھی، لیکن میں اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا۔‘‘

’’میں اس بات کو کیسے مان لوں، یہ تو ٹھیک ہے کہ اس کے جوابات سو فیصد صحیح ہیں، لیکن نمبر لگانے والا قلم تو اس نے نہیں پکڑ رکھا تھا۔‘‘

’’میں نے انکساری سے کہا: ’’قلم میرے ضمیر نے پکڑ رکھا تھا سر!‘‘

’’او کے حمزہ! او کے۔ آپ جانتے ہیں، ہمارے ادارے کا یا یوں کہہ لیں کہ یہاں کا ایک اصول ہے اور وہ یہ کہ ادارے کے مالک کی ہدایات پر عمل کیا جائے۔ جان بوجھ کر عمل نہ کرنے والا اس ادارے میں ملازم نہیں رہ سکتا، اس کی ملازمت ختم کر دی جاتی ہے، آپ کو یہ بات معلوم تھی نا۔‘‘

’’جی ہاں سر! بہت اچھی طرح معلوم تھی۔‘‘

’’تب پھر، آپ نے کیوں اس اصول پر عمل نہ کیا؟‘‘

’’سر! اس معاملے میں کیا کہہ سکتا ہوں، سب کچھ جانتے ہوئے بھی مجھ سے ایسا ہوا ہے۔ مجھے اعتراف ہے۔‘‘

’’بس تو پھر حمزہ صاحب! آپ کو اسی وقت ملازمت سے فارغ کیا جاتا ہے اور یہیں سے آپ کو باہر جانا ہوگا۔ دفتر میں آپ کی جو چیزیں موجود ہیں وہ چپراسی باہر پہنچائے گا۔ تنخواہ آج ہی آپ نے لی ہے۔ ہم یہ تنخواہ ہر ماہ کی 30 یا 31 تاریخ کو ادا کرتے ہیں۔ نیا مہینہ ابھی آپ کا شروع بھی نہیں ہوا، لہٰذا حساب ویسے بھی برابر ہے اور میں اس سلسلے میں کچھ نہیں سنوں گا۔ میرا اصول یہی ہے اور یہ ساری باتیں آپ کو پہلے ہی بتا دی گئی تھیں۔‘‘

’’جی سر! آپ درست کہہ رہے ہیں۔ آپ کا شکریہ، میں آفس سے نکل کر اپنی چیزوں کا انتظار کر رہا ہوں۔‘‘

’’چپراسی آپ کی چیزیں ابھی لے آئے گا۔‘‘

میں اٹھا انوار صاحب کو سلام کر کے باہر کی طرف چل پڑا، کمرے سے نکلنے سے پہلے میں نے ایک نظر انوار صاحب پر ڈالی۔ وہ میری طرف ہی دیکھ رہے تھے۔ ان کا ہاتھ الوداعی انداز میں تھا، ساتھ ہی ان کے ہونٹ ہلے:

’’اللہ حافظ!‘‘

’’اللہ حافظ!‘‘ اور پھر میں آفس سے باہر نکل آیا۔

باہر تمام امیدوار نتیجہ سننے کے انتظار میں بیٹھے تھے، ان کے سامنے فہرست لگی ہوئی تھی، لیکن اس کے باوجود وہ اس ادارے کے مالک کی طرف سے فیصلہ سننے کے منتظر تھے۔ میں ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔ ان سب کی نظریں مجھ پر جم گئیں۔ پرچے ان سب سے میں نے ہی لیے تھے، لہٰذا وہ جانتے تھے کہ میں ادارے میں ملازم ہوں۔‘‘

ایک نے پوچھا:

’’فرمائیے سر! کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟‘‘

’’فیصلہ ادارے کے مالک انوار صاحب خود سنائیں گے۔‘‘

ایک اور امیدوار نے کہا: ’’اور ویسے تو اس فہرست نے فیصلہ سنا ہی دیا ہے۔‘‘

میں نے مسکرا کر کہا: ’’ادارے کے مالک کی طرف سے جو اعلان ہوگا، اصل فیصلہ تو وہی ہوگا۔‘‘

میری مسکراہٹ میں اداسی تھی، لیکن وہ اس مایوسی کو بھانپ نہ سکے۔

آخر دروازہ کھلا اور چپراسی باہر نکلا۔ اس کے ہاتھوں میں میری چیزیں تھیں اور اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔‘‘

’’یہ لیجیے!‘‘

میرے منہ سے نکلا: ’’شکریہ رمضان احمد!‘‘

وہ دبی آواز میں بولا: ’’یہ یہ سر! آپ نے کیا کیا؟‘‘

’’میں خود نہیں جانتا رمضان احمد! میں نے کیا کیا اور کیوں کیا، بس یوں سمجھ لو کہ تقدیر نے مجھ سے یہ کام کروایا ہے، میں نے سب کچھ جانتے بوجھتے یہ کام کیا ہے رمضان احمد!‘‘

’’مم...... مجھے حیرت ہے سر! حیرت ہے۔‘‘

’’خود مجھے بھی اپنے آپ پر حیرت ہے۔‘‘

ایسے میں کمرے کا دروازہ ایک بار پھر کھلا، انوار صاحب باہر نکلے۔ سب کے سب انھیں دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے، ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ انھوں نے ایک نظر سب پر ڈالی، پھر ان کے ہونٹ ہلے:

’’آپ میں سے آصف منیر کون ہیں؟‘‘

’’میں ہوں سر!‘‘ ایک نوجوان آواز سن کر اٹھا، پھر وہ باقی امیدواروں کے درمیان میں سے اٹھ کر ان کے نزدیک آ گیا۔

’’میں آپ کو مبارک باد دینا چاہتا ہوں، یہ رہا آپ کی ملازمت کا حکم نامہ، آپ کل سے اپنی ملازمت پر آئیں گے۔‘‘

یہ سنتے ہی انوار صاحب گھومے۔ گھومتے وقت ان کی نظریں مجھ پر پڑیں اور پھر وہ اندر چلے گئے۔ دروازہ بند ہونے کی آواز گونج اٹھی۔

ادھر باقی امیدوار آصف منیر کو مبارک باد دے رہے تھے اور اس سے مصافحہ کر کے رخصت ہو رہے تھے۔ میں اسی طرح بینچ پر بیٹھا رہا۔ چپراسی ابھی تک میرے پاس کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے ابھی تک اداسی جھانک رہی تھی۔ آخر تمام امیدوار ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے۔

اب وہاں صرف آصف منیر، چپراسی اور میں رہ گیا۔ اب میں اٹھ کر اس کی طرف بڑھا:

’’آصف صاحب! مبارک ہو ملازمت۔‘‘

یہ کہتے ہوئے میں نے اس سے نہایت گرم جوشی سے ہاتھ ملایا، اس کے ہاتھوں میں بھی گرم جوشی اور خوشی کی لہریں تھیں۔ اس نے کہا: ’’شکریہ سر!‘‘

میں جانے کے لیے مڑ گیا۔ جانے سے پہلے میں نے چپراسی سے ہاتھ ملایا۔ میں اس دفتر سے رخصت ہو رہا تھا اور دوسری صبح آصف منیر کو اس دفتر میں ملازمت پر آنا تھا، میں دکھ بھی محسوس کر رہا تھا اور خوشی بھی، مجھے خوشی اس بات کی تھی کہ میں نے انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ اگر میں ادارے کے مالک کی ہدایت کے مطابق آصف منیر کو ننانوے نمبر دے دیتا تو اتنے لینے والے تو اور بھی تھے، پھر ان میں سے ملازمت کسی کو بھی مل سکتی تھی، جب کہ اصل حق تو صرف آصف منیر کا تھا، مجھے دکھ تھا تو اس بات کا کہ دس سال تک اس

ادارے میں نہایت ایمانداری سے ملازمت کی تھی اور آج یہاں سے رخصت ہو رہا تھا۔

ابھی میں گیٹ تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ چپراسی دوڑتا ہوا آیا اور بولا:

''انور صاحب نے آپ کو بلایا ہے۔''

میں ان کے کمرے میں پہنچا تو انھوں نے دوستانہ انداز میں مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہا: ''آپ نے ابھی کہا تھا کہ آپ نے اپنے ضمیر کی بات مان کر دیانت داری سے کام لیا اور ایک قابل اور باصلاحیت امیدوار کو اس کا حق دلایا۔ اسی وقت سے میرا ضمیر بھی مجھے ملامت کر رہا ہے کہ تم ایک ہیرے کو ٹھکرا رہے ہو، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اپنا یہ آمرانہ اصول توڑ دوں اور اپنے اصولوں میں لچک پیدا کروں۔ جائیے آپ کو اپنی سیٹ مبارک ہو۔''

پھر کھڑے ہو کر انھوں نے مجھے گلے لگا لیا۔

درود وسلام کے مسنون صیغے ۱۶

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''زاد السعید'' کے نام سے صلوٰۃ وسلام پر مشتمل چالیس صیغے جمع فرمائے۔

حضرت لکھتے ہیں: ''جو صیغے صلوٰۃ وسلام کے احادیث میں آئے ہیں اُن میں سے چالیس صیغے پیش ہیں جن میں سے پچیس صلوٰۃ کے اور پندرہ سلام کے ہیں۔''

انہی مسنون صیغوں سے ہر ہفتے درود وسلام کا ایک صیغہ پیش کیا جا رہا ہے۔

قارئین! انھیں یاد کیجیے، روزانہ پڑھنے کا اہتمام کیجیے اور اپنے دوستوں کو بھی یاد کروائیے۔ اس طرح درود وسلام کا اجر بھی ملے گا، تلاوت حدیث کا بھی اور چالیس احادیث یاد کرنے کروانے پر از روئے حدیث قیامت کے دن علماء کرام کے ساتھ اٹھائے جانے کی بشارت کے مستحق بھی آپ بن جائیں گے۔ کیوں ہے نا مزے کی بات؟! (مدیر)

صلوٰۃ کا سولھواں صیغہ:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ تَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ تَحَنَّنْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

ملاحظہ:

سلام کے صیغے پندرہ تھے جو ابتدائی پندرہ اقساط میں مکمل ہو چکے ہیں۔

***

آسان علمِ دین کورس | بسم اللہ | سبق نمبر ۱۳

رمضان

محمد اسامہ سرسری

آیتِ کریمہ:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ (سورۂ بقرہ، آیت نمبر 185)

مفہوم: رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے سراپا ہدایت، اور ایسی روشن نشانیوں کا حامل ہے جو صحیح راستہ دکھاتی اور حق و باطل کے درمیان دو ٹوک فیصلہ کر دیتی ہیں۔

حدیثِ مبارکہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ. (بخاری)

مفہوم: جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں۔

مسنون دعا:

اَللّٰهُمَّ سَلِّمْنِيْ مِنْ رَمَضَانَ، وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لِيْ، وَتَسَلَّمْهُ مِنِّيْ مُتَقَبَّلًا.

مفہوم: اے اللہ! آپ مجھے اس مہینے میں (گناہوں سے) بچا لیجیے، اور مجھے رمضان تک پہنچا دیجیے، اور اور اس مہینے کی (عبادات) کو میری طرف سے قبول فرمائیے۔

فضیلت:

رمضان کا مہینہ قریب آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ دعا سکھایا کرتے تھے۔ (طبرانی)

فقہی مسئلہ:

رمضان المبارک کے شرعی احکام:

(1) پورا مہینہ روزے رکھنا فرض ہے۔

(2) عشا کی نماز کے بعد تراویح پڑھنا سنت ہے۔

(3) قرآن کریم کثرت سے پڑھنا اور تراویح میں کم از کم ایک بار مکمل قرآن کریم پڑھنا یا سننا سنت ہے۔

(4) صدقہ بکثرت نکالنا۔

(5) آخری دس دن مسجد میں اعتکاف سنتِ کفایہ ہے۔

(6) شبِ قدر میں خوب عبادت کرنا۔

(7) اس ماہ میں عمرہ کرنا افضل ہے۔ (الموسوعة الفقهية)

***

تیقن کا نور

ہاشم عارف میکاتی

''ہاشم بھائی! آپ کے قیمتی دس منٹ چاہییں، ملاقات کرنی ہے۔''

اس دن میں بہت تھکا ہوا تھا سو جواب دیا:

''بھائی! فون پر بات کرلو، ملنا بہت مشکل ہے۔''

ویسے بھی اتنے سارے لوگ مشورہ کرنے تو آتے ہیں، کام وام کچھ کرتے نہیں، میرا بھی وقت ضائع کرتے ہیں لیکن اُس نے کچھ اِس طرح بات کی کہ میں منع نہ کرسکا۔

''چلیں ایسا کریں عشاء میں مریم مسجد آجائیں، وہیں مل لیتے ہیں۔''

اس نے فوراً کہا، ٹھیک ہے۔

بعض لوگ ملنا تو چاہتے ہیں لیکن جب کہتا ہوں کہ فلاں وقت یا فلاں جگہ پر آجائیں تو پھر جواب ملتا ہے کہ اِس وقت نہیں آسکتا یا اس جگہ نہیں آسکتا تو پھر میں بھی وقت نہیں دیتا۔

جب آپ کو اپنا ہی کام ہو اور شرائط بھی اپنی ہوں تو پھر مجھے بھی کوئی شوق نہیں ملنے کا۔

ایک صاحب تو ایک بار کہنے لگے: ''ہاشم بھائی! مجھے آپ سے ملنا ہے آپ کبھی میرے گھر کی طرف آئیں تو مجھ سے مل لینا۔''

واہ بھئی واہ ملنا خود کو ہے اور بلا بھی مجھے رہے ہیں!

خیر یہ جو صاحب تھے انھیں میں نے غلطی سے پونے آٹھ عشاء کا وقت بتادیا تھا۔ تھکا ہوا اتنا تھا کہ دماغ چل ہی نہیں رہا تھا۔ ساڑھے سات بجے جب اذان نہیں ہوئی تو میں نے انھیں فوراً میسج کیا کہ بھائی آٹھ بجے نماز ہے، غلطی سے پونے آٹھ بتادیا تھا، کہنے لگے: ''کوئی بات نہیں، میں نکل چکا ہوں، مسجد میں بیٹھ جاؤں گا، بندۂ خدا نے بالکل بھی ناگواری کا اظہار نہیں کیا۔ بندے کو جب طلب ہوتی ہے ناں تو پھر کسی بھی بات کا برا نہیں مناتا۔

خیر نماز سے فارغ ہوا تو ہم مسجد کے باہر ہی ایک جگہ بیٹھ گئے۔ اس نے اپنا تعارف اور آپ بیتی سنانا شروع کی کہ یہ کیا وہ کیا پھر ایک کام کا سوچا، اپنے شیخ سے مشورہ کیا انھوں نے مجھے منع کردیا، پھر ایک اور کام کا سوچا اپنے شیخ سے مشورہ کیا انھوں نے پھر منع کردیا۔

میں حیرت سے سن رہا تھا کہ ان کے شیخ کیوں منع کردیتے ہیں؟

وہ کہنے لگا: ''میں نے ایک تیسرے کام کا سوچا پھر شیخ سے مشورہ کیا پھر شیخ نے منع کردیا اور کہا بس تم نوکری ہی کرو۔''

اب تو میں سوچنے لگا کہ میں بھی اسے کوئی مشورہ دوں گا تو یہ پھر دوڑ کر اپنے شیخ کے پاس جائے گا اور وہ پھر منع کردیں گے تو کیا فائدہ مشورہ دینے کا۔

میں شش وپنج میں پڑ گیا۔ سوچنے لگا کہ کیا بات کروں؟

اتنے میں اچانک بات کا ایک سرا میرے ہاتھ میں آگیا۔

آپ کتنے ہی تھکے ہوئے کیوں نہ ہو، سامنے والا اگر سچی طلب لے کر آئے تو ہمت پیدا ہو ہی جاتی ہے اور دماغ چلنا شروع ہوجاتا ہے۔ سو اس کے ایک جملے 'بس تم نوکری ہی کروُ' سے میرے دماغ میں بتی جلی۔

''شیخ صاحب نے آخر میں یہ کہا تھا کہ بس تم نوکری ہی کرو؟'' میں نے پوچھا تو اس نے سر ہلایا۔

''بھائی! یہ تو بتاؤ تمھارے شیخ صاحب خود کیا کرتے ہیں؟''

''وہ نوکری کرتے ہیں۔''

''دھت تیرے کی۔'' میں نے سر پر ہاتھ مارا۔

''اللہ کے بندے! آپ کے شیخ کے مریدوں میں کوئی ڈاکٹر بھی ہے؟''

''ہاں جی!''

تو ڈاکٹر صاحب کو جب آپریشن کرنا ہو اور کوئی مسئلہ در پیش ہو تو وہ آپ کے شیخ سے پوچھتا ہے؟''

''نہیں تو۔''

''پھر وہ کس سے پوچھتا ہے؟''

''اپنے سینئر ڈاکٹر سے۔'' وہ حیرت سے بولا، جیسے اسے میری بات سمجھ میں نہ آرہی ہو۔

''یہ بات...... تو بھائی! جب نماز میں دل نہ لگ رہا ہو، ذکر واذکار نہ ہورہے ہوں، گناہ نہ چھوٹ رہے ہوں تو شیخ صاحب سے مشورہ کرو، لیکن کسی کاروبار کا مشورہ کرنا ہو تو کسی بزنس مین سے کروناں اللہ کے بندے!''

یہ بات سن کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''اسی لیے تو...... اسی لیے تو آپ کے پاس آیا ہوں۔''

اب میں نے سوچا کہ اتنی آسانی سے مشورہ دے دوں گا تو بسا اوقات دل میں اہمیت پیدا نہیں ہوتی، کچھ جھنجھوڑنا چاہیے، دیکھیں تو سہی، اِن تلوں میں کتنا تیل ہے!

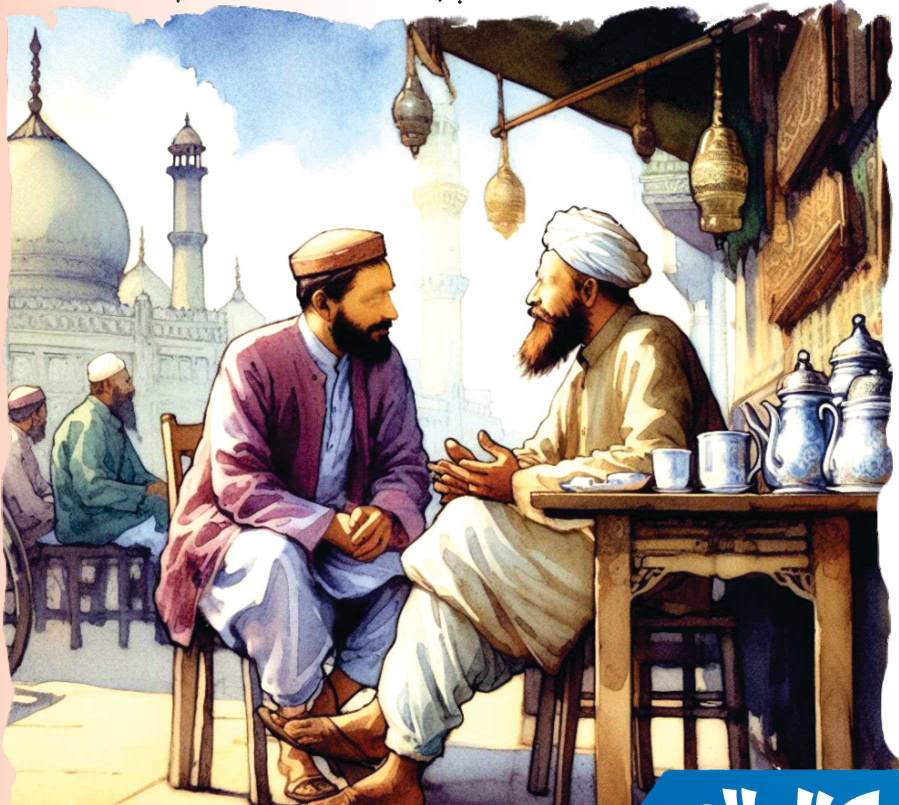

''بھئی میں فیس لیتا ہوں مشورہ دینے کی۔''

''جی جی بالکل جو فیس ہوگی میں دوں گا۔''

''بھئی میری فیس زیادہ ہوتی ہے، عام طور پر لوگ دے نہیں سکتے۔''

''نہیں نہیں ہاشم بھائی! جتنی فیس آپ کہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ میں دوں گا۔ پیسے ہیں میرے پاس۔'' اس نے پر جوش ہوکر کہا۔

''بھئی پھر بھی اکثر لوگ نہیں دے پاتے ہیں۔''

یہ سن کر مجھے لگا کہ اب تھوڑا کمزور پڑ گیا ہے وہ۔

''اچھا! ویسے کتنی فیس ہے؟ کچھ تو بتائیں۔''

''بتا دوں؟'' کچھ دیر بعد میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''فیس یہ ہے کہ جو مشورہ دوں اس پر عمل کرنا ہے، مشورہ لے کر بیٹھ نہیں جانا ہے کہ پھر تھوڑے دن بعد دوبارہ مشورے کے لیے پہنچ جائیں، پھر دوبارہ مشورہ نہیں دیتا ہوں میں۔''

وہ کھل اٹھا۔''ارے نہیں نہیں ہاشم بھائی! میں عمل کروں گا۔''

''سب ایسے ہی بولتے ہیں لیکن کرتے ورتے کچھ نہیں ہیں، کاروبار اتنا ہی آسان ہوتا تو سب کر رہے ہوتے۔ اچھا ویسے آپ کے ابو کیا کرتے ہیں؟''

میں نے اچانک سوال کیا۔

''نوکری۔''

پھر چاچا، تایا، ماموں سب کا پوچھا تو یہی جواب آیا کہ نوکری۔ میں نے جان بوجھ کر قدرے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا: ''نہیں بھائی نہیں، تم کچھ نہ کر سکو گے۔ سب مل کر تمھیں روکیں گے کہ نقصان ہو جائے گا۔''

یہ کہہ کر میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

میں چاہتا تھا کہ نوجوان ساری منازل آج ہی طے کرلے، ابدال بن کر ہی اٹھے۔

اور میری بے رخی دیکھ کر تو اسے جوش ہی آ گیا۔ فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''بس ہاشم بھائی! مجھے کچھ کرنا ہے، کچھ تو کرنا ہے، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔''

''نقصان بھی ہو جائے؟''

''ہاں نقصان بھی ہو جائے۔''

''اچھا اچھا بیٹھو۔''

وہ بیٹھ گیا۔

''بھئی دیکھو، کاروبار کا پہلا قدم کیا ہے پتا ہے؟.....نہیں؟ نقصان ہے۔ دوسرا قدم بھی نقصان، تیسرا بھی نقصان ہے۔''

وہ چپ چاپ مجھے تک رہا تھا۔

میں بولتا رہا: ''چوتھے اسٹیپ میں ہو سکتا ہے کہ فائدہ ہونا شروع ہو جائے۔ اسی لیے میں نوجوانوں کو یہ سمجھاتا ہوں کہ جتنی انویسٹمنٹ ہو آپ کے پاس۔ اس کے دس فیصد سے بزنس شروع کریں۔ پہلی ہی بار پوری رقم نہ جھونک دو۔ جب دس فیصد سے کام شروع کرو گے نقصان ہوگا تو ابھی نوے فیصد ہاتھ میں ہوں گے، اس طرح سروائیو کر سکو گے اور ہمت نہیں ٹوٹے گی۔''

وہ میری بات سنتا رہا۔

''اچھا تو میں کیا کام شروع کروں؟ بالکل بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، کنفیوز ہوں۔''

''کام وہ شروع کرو جس میں تمھارا دل لگتا ہو۔ جس چیز میں دل لگتا ہوگا نا اس میں دماغ بھی زیادہ چلے گا۔''

''یہی تو مسئلہ ہے۔ کوئی بھی رخ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں کیا نہ کروں؟''

''اس کا آسان حل بتاؤں، گھر جاؤ، اِدھر اُدھر نظر دوڑاؤ جو چیز زیادہ کام کی نہ ہو، وہ بیچنے کی کوشش کرو، جب بک جائے تو اس سے کچھ اور خرید لو، پھر وہ بیچنے کی کوشش کرو، آہستہ آہستہ ڈر بھی نکل جائے گا اور جو کام تمھارے لیے مناسب ہوگا وہ تمھیں سمجھ میں آنا بھی شروع ہو جائے گا۔''

میری یہ بات سن کر وہ سوچ میں پڑ گیا۔

لگ رہا تھا کہ تذبذب کے دبیز پردوں کے درمیان امید کا چراغ جل چکا ہے جس کی روشنی ہمت اور حوصلے کی ہواؤں کے چلنے سے نظر آنا شروع ہو چکی ہے!

کہنے لگا: ''کچھ عرصہ قبل میں نے گاڑیاں خریدنے اور بیچنے کا کام شروع کیا تھا لیکن اُس میں جھوٹ اتنا ہے کہ پھر مجھے چھوڑنا پڑا۔''

میں نے پھر سر پر ہاتھ مارا۔''بھائی! پھر تو یہی کام کرنا چاہیے۔ جس جگہ جھوٹ کا دور دورہ ہو، کھوے سے کھوا چھلتا ہو، وہاں سچ کے پھول بہت جلدی کھل اٹھتے ہیں، بس شروع میں کچھ صبر و تحمل کے ساتھ اِس باغ کی آبیاری اپنی محنت کے پسینے اور جگر کے لہو سے کرنی پڑتی ہے۔ یہ باغ لگنے میں تو کچھ وقت لیتا ہے لیکن اس کا سایہ بہت دور تک ساتھ چلتا ہے، نسلوں تک!''

''ٹھیک ہو گیا ہاشم بھائی! سمجھ میں آ گیا، میری اپنی گاڑی ہے اسی سے کام شروع کرتا ہوں۔''

''جا بچہ جا...... پروردگار اپنی رحمت کا ابر برساتا رہے تجھ پر، آمین ثم آمین۔''

وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

تذبذب کی تاریکی دور ہو چکی تھی، تیقن کا نور اس کے چہرے پر تھا۔

وہ اٹھا اور میرے گلے لگ گیا۔

☆☆☆

مسکراہٹ کے پھول

☆......ایک شخص ٹیلی فون پر ''کون بول رہا ہے؟''

جواب آیا: ''میں بول رہا ہوں۔''

پہلا شخص ''کتنی عجیب بات ہے، ادھر بھی میں بول رہا ہوں۔''

☆...... بیٹا: ابا جان! آج میں سکول نہیں جاؤں گا، رات بارش ہوتی رہی، راستے میں کیچڑ ہوگا۔

باپ: لیکن درخواست دینے کون جائے گا۔

بیٹا: وہ میں خشک خشک راستہ دیکھ کر چلا جاؤں گا۔

☆......ایک لڑکے کا باپ جج تھا، وہ اپنے کام میں مصروف تھا کہ اس نے پوچھا، ابا جان! اس عید پر مجھے کیا تحفہ دیں گے۔

باپ نے بے خیالی میں کہا:

''چودہ سال کی قید بامشقت۔''

ارحم نیاز۔ مانسہرہ

☆......ایک دوست: تمھارے منہ پر مونچھیں آ گئی ہیں، پھر بھی تم چوہے سے ڈر گئے۔

دوسرا دوست: مونچھیں آ گئی ہیں، پستول تو نہیں اُگ آئے۔

☆......دکان دار: تمھیں کس قسم کا کیلنڈر چاہیے۔

لڑکا: جس میں چھٹیاں زیادہ ہوں۔

☆......دادی جان: تم بتاؤ تو سہی، تمہیں کس نے مارا ہے، میں اسے کچا چبا جاؤں گی۔

بچہ: مگر دادی جان! آپ کے تو دانت نہیں ہیں۔

☆......کنجوس مالک (ملازم سے) بتاؤ، وہ کون سی چیز ہے جو محنت کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتی۔

ملازم (معصومیت سے) جناب میری تنخواہ۔

☆......ایک پڑوسن نے دوسری سے ایک کتاب پڑھنے کے لیے مانگی۔ دوسری نے کہا ''بہن میں کتاب دیا نہیں کرتی۔ آپ یہاں بیٹھ کر جتنی چاہیں پڑھ لیں۔''

چند روز بعد دوسری پڑوسن پہلی کے گھر گئی اور جھاڑو مانگی۔ پہلی نے کہا ''بہن میں کسی کو جھاڑو نہیں دیا کرتی، آپ کو جتنی جھاڑو دینی ہو، یہاں میرے گھر میں دے دیں۔''

وہ شخص ہمت اور حوصلے کا پہاڑ تھا۔ اس کی زندگی کا مقصد پاکستان کے نوجوانوں کو مضبوط بنانا تھا۔ دینی مدرسے کا ایک طالب علم اتفاق سے اُس تک جا پہنچا، یوں شوق، لگن، جدوجہد اور عزم کے رنگین جذبوں سے سجی داستان زیبِ قرطاس ہوئی! ایک ایسے شخص کا تذکرہ جو دولت پر فن کو ترجیح دیتا تھا......!

ہمّت کا پہاڑ

راوی: سیہان انعام اللہ خان مرحوم — تحریر: رشید احمد منیب

کلب میں کلاس تیسری منزل پر یعنی چھت پر ہوتی تھی۔ سی ہان کا دفتر پہلی منزل پر تھا، جب سے اُن کے متعلق سنا تھا کہ وہ بہت خطرناک ہیں، انھیں دیکھنے کا تجسس سا رہتا تھا۔ آخر ایک دن دفتر کے سامنے سے گزرتے ہوئے، خاص طور پر جھانک کر دیکھا۔

سفید خشخشی ڈاڑھی والے ایک شخص عینک لگائے، کسی فائل کے مطالعے میں گم تھے۔ سرخ وسفید رنگت، قد کاٹھ میں تو ہدایت اللہ خان سے کم ہی لگے۔ خیال آیا کہ اب یہ بوڑھے ہو چکے ہیں، اس لیے دفتر میں بیٹھے رہتے ہیں۔ کلب میں اُن کی نوجوانی کی تصاویر بھی لگی ہوئی تھیں، لیکن کرسی پر بیٹھے انعام اللہ خان میں جوانی کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دی۔ یہ جھلک کلاس میں سامنے آئی اور کافی خطرناک انداز میں سامنے آئی۔

اگلے ہفتے کلب سے جاتے ہوئے سی ہان سے آمنا سامنا ہوگیا۔ وہ کسی کام سے اوپر آرہے تھے۔ اُن کی چال ڈھال سے اندازہ ہوا کہ اتنے بھی بوڑھے نہیں ہیں۔ چلتے تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔ میں نے انھیں سلام کیا۔ وہ وعلیکم السلام کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ چند ہی دن گزرے ہوں گے کہ شام کی کلاس میں اعلان ہوا کہ آج کلاس کے دوسرے حصے میں سی ہان خود کلاس میں آئیں گے۔

تجسس ہوا کہ وہ بھلا اِس عمر میں کیا سکھائیں گے؟

لیکن جو لڑکے پرانے تھے، وہ یکدم مستعد ہوگئے۔ کلاس میں ایک سنسنی سی محسوس کی جانے لگی۔ کلاس کا پہلا حصہ ختم ہوا تو سیڑھیوں سے سی ہان اوپر آتے دکھائی دیے۔ اُن کے سرخ رو گالوں پر سفید ڈاڑھی روشنی میں گویا جگ مگ کر رہی تھی۔ توانائی سے بھرپور آنکھوں میں تیز چمک تھی، جو اُن سے نظر ملانے والا فوراً ہی محسوس کرلیتا۔ اُن کی بدن بولی، نگاہوں کے انداز اور چہرے کے تاثرات میں ایک خاص اطمینان، سکون اور اعتماد تھا، جو اُن کی مضبوط شخصیت کی گواہی دے رہا تھا۔ سفید وردی میں ملبوس اور سنہری پٹیوں والی سیاہ بیلٹ باندھے وہ مجھے مارشل آرٹ کی قدیم داستانوں کے کسی روایتی استاد کی طرح محسوس ہوئے، جو کسی کہانی میں انسانی روپ دھار کر دنیا میں آگیا ہو۔

یہ وہ لمحہ تھا، جب مجھے احساس ہوا کہ میں ایک بڑے آدمی کو دیکھ رہا ہوں۔ ایک ایسا آدمی، جس کی صحیح قدر و قیمت شاید پہچانی نہیں گئی۔ ایک لمحے کے لیے ابھرنے والا یہ احساس اِس قدر طاقت ور تھا کہ چوبیس برس گزر جانے کے باوجود میں اِس تاثر کو فراموش نہیں کرسکا۔ یہ احساس پہلے دن کی طرح آج بھی میری یادوں میں چمک رہا ہے، جب کہ سی ہان انعام اللہ خان کو سفید چادر اوڑھ کر قبر میں سکون سے سوئے، تیرہ بہاریں گزر چکی ہیں۔ سفید کفن کے درمیان اُن کا مسکراتا چہرہ ایک ٹیلے پر بنی جس قبر میں اتر کر نگاہوں سے اوجھل ہوا تھا، اُس کے گرد بہت سے خوش رنگ پھول کھل چکے ہیں۔ اِس قبر کے چاروں طرف اُن کے شاگردوں کے بہتے آنسوؤں سے بہت سے گل بوٹے اُگے ہیں، جو گزشتہ تیرہ برسوں میں تناور درخت بن چکے ہیں۔ درختوں کے اِس جھنڈ میں ہر شجر کو آپ انعام اللہ خان کہہ سکتے ہیں۔ یعنی وقت کا دریا اِس ساکت لمحے سے گزر کر بہت آگے جا چکا ہے لیکن اِس لمحے کا وہ احساس آج بھی ختم نہیں ہوا۔ میں اِس لمحے کے منظر کو، اُس سے پیدا ہونے والے تاثر کو آج بھی اسی طرح محسوس کرسکتا ہوں، جب انعام اللہ خان اپنے شاگردوں کو سکھانے کے لیے کچھ سوچتے ہوئے کلاس میں آرہے تھے۔

وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر آرہے تھے۔ مجھے دکھ سا محسوس ہوا کہ اتنا بڑا ماسٹر اب کمزور ہوگیا ہے۔

جب وہ کلاس میں آئے تو احترام اور جوش وجذبے کی کیفیت صاف طور پر دکھائی دینے لگی۔ انھوں نے کلاس کا جائزہ لیا۔ نظم وضبط سے متعلق کچھ ہدایات دیں اور پھر کہا کہ آج آپ کو گلی محلے کی لڑائی میں کام آنے والی کچھ چیزیں سکھاؤں گا، لیکن سب سے پہلے صحیح پش اپ لگانے کا طریقہ بتاتا ہوں۔ کیوں کہ کچھ بچے نئے ہیں اور کچھ بچوں کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ صحیح پش اپ نہیں لگاتے۔ سب سے پہلے ایک سوال ہے، بتاؤ کہ ہماری کلاس میں ایسا نیا لڑکا کون ہوسکتا ہے، جو پہلی مرتبہ ہی میں پش اپ صحیح لگالے......؟

اِس سوال کا درست جواب کوئی نہ دے سکا، انھوں نے یکدم میری طرف اشارہ کیا۔

میں نے گڑبڑا کر کہا: ''جو استاد کو غور سے دیکھتا ہے۔''

لیکن میرا یہ جواب اُن کے نزدیک غلط تھا، اب وہ خود ہی بولے:

''جو لڑکا نماز میں سجدہ صحیح طرح کرتا ہے، وہ پش اپ بھی صحیح لگالیتا ہے۔''

وہ بولتے رہے: ''ہمارا دین سستی کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ نے عبادتیں بھی ایسی رکھی ہیں، جو بندے کو چوکس اور ہوشیار رکھتی ہیں۔ نماز پڑھو، مارشل آرٹ سیکھو اور کمزور لوگوں کا خیال رکھو، یہی ہمارا پیغام ہے۔''

یہ کہتے ہوئے انھوں نے میری طرف دیکھا اور بولے: ''کیوں بھائی! میں صحیح کہہ رہا ہوں نا؟''

ظاہر ہے، مجھے تائید ہی کرنی تھی۔ عبدالمجید بھائی مجھے پہلے ہی بتا چکے تھے کہ وہ اب بھی خطرناک ہیں، اور وہ کتنے خطرناک تھے، اُس کا علم مجھے کچھ دیر بعد ہی ہوگیا، جب انھوں نے کئی پہلوان لڑکوں کو پلک جھپکنے میں داؤ لگا کر اچھال دیا۔

یہ منظر دیکھ کر نجانے کیوں میرے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

میں اُن بھاری بھرکم اور موٹے تازے نوجوانوں کی پتلی حالت دیکھ کر ہنس رہا تھا، جنھیں ایک بوڑھا استاد چھوٹے بچوں کی مانند اچھال رہا تھا۔ میں یہ بھول ہی گیا تھا کہ خود میں بھی کلاس میں ہی ہوں۔

سی ہان نے مجھے ہنستے ہوئے دیکھ لیا۔ اگلے ہی لمحے وہ میرے سامنے کھڑے تھے۔

''تیار ہو جاؤ'' انھوں نے غراتے ہوئے کہا۔

اُس وقت میری وہی کیفیت تھی جو جنگل میں شیر کے سامنے کسی ہرن کی ہوسکتی ہے۔

میں نے کوئی مناسب جواب سوچنے کی کوشش کی، لیکن اُس کا وقت نہیں تھا۔ یکا یک میں نے اُن کے وجود میں حرکت محسوس کی۔ اگلے ہی لمحے میں زمین پر تھا۔ داؤ لگاتے ہوئے انھوں نے خیال رکھا تھا کہ میرا سر زمین سے نہ ٹکرا جائے۔

چند لمحوں بعد جب میرے اوسان بحال ہوئے تو میں نے دو باتیں طے کرلیں:

''سی ہان کو آئندہ بوڑھا اور کمزور نہیں سمجھنا، خود کو اُن کے سامنے 'مولوی' نہیں سمجھنا۔''

گویا میری یہ غلط فہمی دور ہوگئی کہ وہ بوڑھے ہیں۔ میری یہ خوش فہمی بھی دور ہوگئی کہ وہ مجھے مولوی ہونے کی کوئی رعایت دیں گے۔ اُس دن کی غلطی نے مجھے یہ سبق بھی اچھی طرح سکھا دیا کہ آئندہ کلاس میں، مَیں پھر کبھی نہیں ہنسا۔

اگلے ہفتے وہ کلاس میں نہیں آئے۔ وہ پشاور میں تھے تاکہ وہاں مارشل آرٹ کے اساتذہ کو مزید سکھائیں۔ ایک ہفتے بعد وہ کلاس میں آئے تو اُن کی آنکھ کے اردگرد کا حصہ کچھ سبز، کچھ سیاہ اور کچھ نیلا ہو رہا تھا۔

سب لڑکے حیران ہوئے کہ یہ کیا ہوا؟

انھوں نے بتایا کہ پشاور میں نوجوانوں کو تربیت دیتے ہوئے چوٹ لگ گئی۔ چوٹ واقعی بہت شدید تھی لیکن وہ مسکرا رہے تھے۔

کہنے لگے، اِس کام میں چوٹ لگنا عام سی بات ہے۔ ماسٹر کو بھی لگ سکتی ہے۔ ماسٹر کو سکھاتے ہوئے اناڑی سے چوٹ لگ جاتی ہے۔ کیوں کہ وہ اناڑی کا لحاظ کرتا ہے اور اناڑی اپنی بہادری دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ سی ہان کو بھی ایک اناڑی کے ہاتھ سے ڈنڈے کی خطرناک ضرب لگ گئی تھی، لیکن ہنس رہے تھے۔ کہنے لگے:

''درد میں تین حروف ہیں، دال، را اور دال بس، یہ ایک لفظ ہے، اسے پوری کہانی مت بناؤ۔ مرد کا کام ہے درد برداشت کرنا۔''

انھوں نے سمجھایا: ''درد تو زندگی کا حصہ ہے۔ میں اسے ایک دوست کی حیثیت دیتا ہوں، کیوں کہ یہ مجھے میری اوقات بتاتا ہے۔ میں اُس کا لطف اٹھاتا ہوں، کیوں کہ یہ مجھے کسی کی یاد دلاتا ہے۔ جب میرا بائی پاس ہوا، تو میں نے بہت لطف اٹھایا۔ جب ڈاکٹروں نے کہا کہ تم دس سال سے زیادہ زندہ نہیں رہو گے تو مجھے بہت مزا آیا۔ درد میری زندگی کا ساتھی رہا ہے، اِس لیے اگر کچھ دن درد کے بغیر گزر جائیں تو مجھے عجیب سا احساس ہوتا ہے۔ آپ کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ درد کو برداشت کرنا سیکھیں۔ جسمانی درد کو بھی اور اندر سے اٹھنے والے درد کو بھی۔''

مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ مارشل آرٹ کے اتنے بڑے ماسٹر کو بھی دل کا آپریشن کروانا پڑا؟

وجہ بعد میں معلوم ہوئی۔ دل کا یہ آپریشن بیماری کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ اُس کی وجہ کچھ اور تھی۔ یہ کہانی سی ہان نے بعد میں سنائی۔

سی ہان کی باتوں سے مجھے زندگی کا ایک نیا راز سمجھ میں آیا، وہ راز یہ تھا کہ درد اور تکلیف اِس زندگی کا حصہ ہے۔ درد کو برداشت کیے بغیر آگے بڑھنا مشکل ہے، لہٰذا مجھے اِن باتوں کو برداشت کرلینا چاہیے جو مجھے تکلیف دیتی ہیں۔ یہ بات سمجھ میں تو آگئی لیکن عمل میں جلد نہ آسکی۔ مکا سیکھنے کے بعد میں اُس کا تجربہ کر ہی گزرا۔

شعبان کی چودھویں شب کا چاند آسمان کی سیر کے لیے نکلا تو گلی محلوں میں پٹاخوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔

اِن تکلیف دہ دھاکوں نے یاد دلایا کہ اللہ کا مہمان یعنی ماہِ رمضان سر پر آ پہنچا۔ اب مکے چلانے سے زیادہ تراویح پڑھانے کی فکر سوار ہوگئی۔ کلب میں اب تک سب ٹھیک چل رہا تھا، میں نے ایک دو مکے چلانا سیکھ لیے تھے، لیکن ابھی بہت کچھ سیکھنا باقی تھا۔ تراویح کی وجہ سے مگر میں نے کلب سے چھٹیاں لے لیں۔ اب تک کلب میں مجھے بس ایک شکایت ہوئی تھی، وہ یہ کہ جم میں کسرت کرنے والے نوجوان ڈیک پر گانے لگا لیتے تھے۔ مارشل آرٹ والوں کا حال الگ تھا۔ اُس کے باوجود یہ بات مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی۔ جس دن میں نے کلب سے رخصت لینے کا ارادہ کیا، اُسی دن ایک خط ہدایت اللہ خان کے نام لکھا۔ خط میں لکھا تھا کہ آخر ڈیک لگا کر، گانے بجا کر، ورزش کرنے سے ملتا ہی کیا ہے؟ جسے گانے سننے ہیں، وہ خود سنے، دوسروں کو کیوں تکلیف دیتا ہے۔ لگے ہاتھوں لکھ دیا کہ ویسے بھی یہ گناہ ہے، اِس سے تو بچنا ہی چاہیے۔

اِس خط کے ساتھ ہی میں نے چند کتابیں بھی ہدایت اللہ خان کو تحفے میں دے دیں۔ اُن میں سے ایک بطور خاص سی ہان انعام اللہ خان کے لیے تحفہ تھی۔ (جاری ہے)

مجھ پر اتارا

یہ نظم درج ذیل تین شاعروں نے مل کر لکھی ہے!

ڈاکٹر محمد دین تاثیر، پنڈت ہری چند اختر، شمس عارف

ابا سے لڑ کر
امی نے مجھ کو
خوب آج مارا
غصہ اتارا
ابا سے لڑ کر
امی نے مجھ پر
غصہ اتارا
میں مار کھا کر
بستہ اٹھا کر
گھر سے چلا اور
اسکول پہنچا
استاد صاحب
لڑکوں کے غل سے
بپھرے ہوئے تھے
مجھ کو جو دیکھا
بس چپت یایا
لڑکوں کا غصہ

مجھ پر اتارا
چھٹی ہوئی تو
میں گھر کو لوٹا
دوکان پر سے
بنیے سے پٹ کر
دُم کو اٹھائے
اک گائے دوڑی
سینگوں کے اوپر
مجھ کو اٹھا کر
دھرتی پہ پٹخا
بنیے کا غصہ
مجھ پر اتارا
میں گھر میں پہنچا
اتنے میں بھیا
سیڑھی سے پھسلے
اور پھٹ اڑا دھوں
آنگن میں آئے

میں سامنے تھا
جھنجھلا کے اٹھے
اور مجھ کو مارا
گرنے کا غصہ
مجھ پر اتارا
میں روتا روتا
کمرے میں پہنچا
ابا سے امی
پھر لڑ رہی تھیں
ابا نے مجھ کو
روتے جو دیکھا
کانوں سے پکڑا
اور خوب پیٹا
اور خوب پیٹا
امی کا غصہ
مجھ پر اتارا

پھر سے گھڑی اور ہم

دانش عارفین حیرت

’’لو بھئی اپنی اپنی گھڑیوں کی حفاظت کرلو۔‘‘

ہمیں دیکھتے ہی ایک آواز بلند ہوئی۔

ہم فوراً سمجھ گئے کہ ہمیں دیکھ کر یہ جملہ کیوں کسا گیا ہے؟ جب سے بچوں کا اسلام میں ہماری آپ بیتیاں ’’ابوجان کی گھڑی اور ہم‘‘ اور ’’گھڑی اور ہم‘‘ چھپیں، اُس وقت سے یار دوست ہمیں دیکھتے ہی مزاح میں یہ جملہ کسنے لگتے ہیں۔

جن دوستوں نے یہ تحریریں پڑھ رکھی ہیں وہ جان گئے ہوں ہیں کہ ہم گھڑیوں کے کتنے شوقین ہیں۔ بہرحال ہمیں خیال آیا کہ ہم نے سب کو یہ تو بتا دیا ہے کہ ہم گھڑیوں کے دیوانے ہیں، لیکن یہ نہیں بتایا کہ ہم نے صرف گھڑیاں اڑائی ہی نہیں ہیں بلکہ ہم سے بھی گھڑیاں ہتھیائی گئی ہیں۔ سو آج بھی ہم گھڑیوں کے متعلق ہی کچھ رقم کریں گے لیکن صرف ان گھڑیوں کے متعلق جو ہم سے ہتھیائی گئی ہیں۔

جس طرح اسکول میں ہم گھڑی لانے والے موجد بنے تھے ایسے ہی مدرسے میں بھی سب سے پہلے گھڑی کی بدعت شروع کرنے والے ہم ہی تھے۔ ہماری کلائی میں گھڑی دیکھ کر ہمارا بھائی محمد بلال بھی اپنی گھڑی کلائی پر سجا کر مدرسے آنے لگا۔ ایسا ہم نے عید کی چھٹیوں کے بعد کیا تھا۔ دراصل رمضان میں ہم نے والد محترم محمد عارفین سے فرمائش کی تھی کہ ہمیں گھڑی دلوا دیں۔ انھوں نے شفیق باپ کی طرح ہماری خواہش پوری کی اور ہمیں گھڑی دلوادی۔

گھڑی لینے کا مقصد یہ تھا کہ دورانِ سبق ہمیں وقت کا اندازہ ہوتا رہے کہ اس وقت کتنے بج رہے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ مدرسے میں ہماری نشست جس جگہ تھی وہاں سے گھڑی نظر نہیں آتی تھی، اگر ہم مڑ کر گھڑی دیکھتے تو فوراً قاری صاحب تنبیہ فرماتے:

’’کیا بات ہے؟ کسی کو وقت دے رکھا ہے؟ شاباش شاباش دھیان سے پڑھو۔‘‘

کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ مڑ کر گھڑی دیکھنے پر جملہ تو کوئی سنائی نہیں دیتا البتہ قاری صاحب کی طرف سے اڑتی ہوئی پنسل کمان سے نکلے تیر کی طرح ہماری طرف آجاتی۔

اس ’’تیر‘‘ سے ہمیں تو اتنا نقصان نہیں ہوتا تھا لیکن جب ہم اسے واپس کرنے کے لیے قاری صاحب کے پاس جاتے تو وہ پنسل واپس کرتے ہوئے پنسل کی بجائے ہمارا ہاتھ پکڑ لیتے اور ایک عدد ڈنڈا ہمارے اس ہاتھ مبارک پر رسید کر دیتے۔ کبھی کبھی دو یا تین بھی، یہ قاری صاحب کے موڈ پر ہوتا تھا۔

سو اب بغیر وجہ کے ڈنڈے کھانے سے جان چھڑانے کے لیے اِس مسئلے کا حل تو یہی نظر آیا کہ ہم ایک عدد گھڑی رکھ لیں، سو اب جب بھی ہمیں وقت دیکھنا ہوتا تو ہم اپنی کلائی پر نظر دوڑا لیتے اور وقت معلوم کر لیتے۔

اچھا مڑ مڑ کر گھڑی دیکھنے کی وجہ سے ڈنڈے صرف ہمیں ہی نہیں پڑتے تھے، بلکہ ہمارے ساتھ قطار میں بیٹھے تمام لڑکوں کو ہی وقت دیکھنے پر لگ جاتے تھے، آہستہ آہستہ سب کو معلوم ہوگیا کہ ہمارے پاس گھڑی ہے، سو اب ہمارے آس پاس بیٹھے لڑکے اچانک ہم سے پوچھتے کہ کتنے بج رہے ہیں تو ہم انھیں وقت بتا دیتے۔

یہ وقت بتانا ایک خاص مہارت سے ہوتا۔ جو دوست مدرسے میں قرآن مجید پڑھ چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایسا کس طرح کیا جاتا ہے۔ کسی کو بلانے کے لیے ایک خاص سورت یا آیت اس زور سے تلاوت کی جاتی ہے کہ وہ شخص سن کر اس آیت پڑھنے والے کی طرف دیکھے، پھر ایک اشارہ ہوتا اور اس اشارے کے بعد قرآن مجید کی طرف دیکھتے ہوئے اس انداز سے بات کی جاتی کہ سامنے والا دیکھ کر سمجھ جاتا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ دور سے دیکھنے والے کو یہی لگتا کہ بات کرنے والا اپنا سبق ہی دہرا رہا ہے۔ بس اسی طرح ہم لوگوں کو وقت بتا دیا کرتے۔ وقت بتانے پر ہماری تقریباً تمام ہی ہم جماعت لڑکوں سے اچھی خاصی علیک سلیک ہوگئی یا یوں کہیں کہ دوستی ہوگئی۔ اب ہر لڑکا ہمیں پسند کرنے لگا، مگر ہم نہیں جانتے تھے کہ انہی میں ایک لڑکا ایسا بھی ہے جو ہماری خوبصورت گھڑی پر نظر لگائے بیٹھا تھا۔ اس کا نام ہم یہاں ظاہر نہیں کریں گے۔ عمر میں ہم سے کافی بڑا تھا، یعنی اُس عمر کا تو تھا کہ اگر کوئی چیز ہم سے ہتھیانا چاہتا تو با آسانی ہتھیا سکتا تھا اور ہم اس سے اپنی چیز واپس لینے کے لیے قاری صاحب سے ہی مدد لے سکتے تھے۔

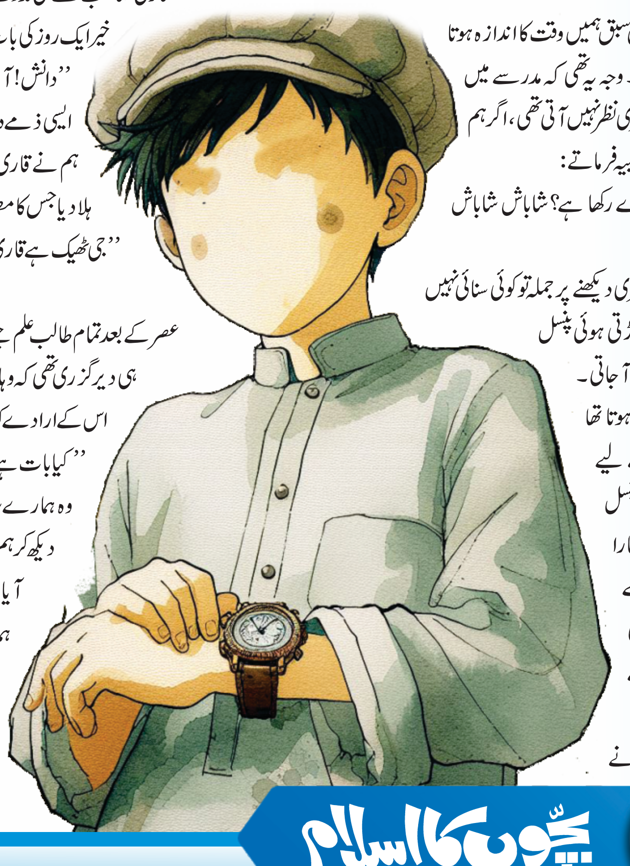

خیر ایک روز کی بات ہے کہ قاری صاحب نے ہمیں حکم دیا:

’’دانش! آج عصر کے بعد بیت الخلا صاف کر کے جانا۔‘‘

ایسی ذمے داری اکثر ہی کسی نہ کسی شاگرد کی لگ جاتی تھی۔

ہم نے قاری صاحب کی بات سن کر اچھے بچوں کی طرح سر ہلا دیا جس کا مطلب تھا:

’’جی ٹھیک ہے قاری صاحب! میں کر دوں گا۔‘‘

☆......☆

عصر کے بعد تمام طالب علم چلے گئے تو ہم نے بیت الخلا کا رخ کیا۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ وہاں پر وہ لڑکا بھی آ گیا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ اس کے ارادے کیا ہیں؟ اس لیے سوال کیا:

’’کیا بات ہے یہاں کیا کر رہے ہو؟‘‘

وہ ہمارے سامنے ہی مسجد سے نکلا تھا اِس لیے اب اس کو دیکھ کر ہم حیرت زدہ تھے کہ یہ یہاں پر واپس کیا کرنے آیا ہے؟

ہمارا سوال سن کر اس نے ہمیں ایک زوردار دھکا دیا: ’’میں تجھے کیوں جواب دوں؟ تُو کون ہوتا ہے مجھ سے یہ سوال کرنے والا؟‘‘

ہم اس حملے کے لیے قطعی تیار نہیں تھے سو دھکا کھا کر زمین بوس ہوگئے۔ اس نے اسی

پر ہی بس نہیں کی بلکہ ہم پر بری طرح چڑھائی کر دی۔ ہم اُس کی اِس فضول دھکم پیل پر اپنے بچاؤ اور بھاگ نکلنے کی جدوجہد میں لگ گئے اور بالآخر اس میں کامیاب بھی ہو گئے۔ ہم اُس وقت مسجد کی بالائی منزل پر تھے، اس لیے فوراً بھاگ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھے اور پانچ سے دس سیکنڈ میں ہی نچلی منزل پر پہنچ گئے۔

اس رفتار پر حیران ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اسی رفتار سے ہر منزل چڑھتے تھے اور دو تین منزلیں چڑھ جاتے ہیں، بلکہ اب بھی چڑھتے اور اترتے ہیں۔ ہاں تیسری کے بعد چوتھی منزل دس سے پندرہ سیکنڈ کی رفتار سے نہیں چڑھی جاتی، بہر حال یہ ذکر تو ایسے ہی آ گیا، مقصد یہ تھا کہ جب اس رفتار سے منزل چڑھتے ہیں تو اترتے بھی اسی رفتار سے ہیں اور یہ بہت پرانی عادت ہے۔ ہاں تو ہم بتا رہے تھے کہ ہم دس سیکنڈ ہی میں نچلی منزل پر پہنچ گئے۔ نیچے پہنچتے ہی ہم نے وقت دیکھنے کے لیے بے ساختہ کلائی کی طرف نظر دوڑائی تو یاد آیا کہ بیت الخلا کی صفائی کرتے وقت ہم نے گھڑی گیلی نہ ہو، اِس لیے جیب میں رکھ لی تھی۔ ہم نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جیب میں گھڑی موجود نہیں تھی۔ ہم نے فوراً دماغ لڑایا تو پہلا خیال یہی آیا کہ ابھی بالائی منزل پر اُس لڑکے کے ساتھ دھکم پیل میں گر گئی ہو گی۔ گھڑی کی خاطر ہم جی کڑا کر کے فوراً اوپر پہنچے۔

وہ لڑکا وہیں پر جھکا کھڑا تھا جہاں اُس نے ہمیں دھکا دیا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ سیدھا ہو گیا جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ ہم نے اس سے کوئی بات نہیں کی اور مسجد کی صفوں پر اپنی گھڑی کی تلاش شروع کر دی۔

''کیا تلاش کر رہے ہو؟''

اس نے ہمیں اس طرح صفوں کو اپنی نظروں سے ٹٹولتے دیکھ کر پوچھ لیا۔

''میری یہاں گھڑی گری تھی، وہ تم نے اٹھائی ہے؟''

ہم نے اس سے سیدھا پوچھا۔

''نہیں، اگر ملتی تو میں تمھیں دے دیتا۔'' اس لڑکے نے جواب دیا۔

ہم کچھ دیر تک گھڑی ڈھونڈتے رہے مگر نہیں ملی تو تھک ہار کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

☆......☆

اور دو ہی دن کے بعد ہم نے اس لڑکے کے پاس اپنی گھڑی دیکھ لی تو چونک گئے۔ فوراً اس سے مطالبہ کیا۔

''یہ میرے گھڑی ہے مجھے واپس کر دو۔''

مگر وہ لڑکا مکر گیا اور کہنے لگا: ''نہیں یہ میری ہے، میں آج ہی خرید کر لایا ہوں۔''

ہم نے کوشش کی کہ وہ ہمیں گھڑی واپس کر دے لیکن اس نے نہیں کی۔

کچھ دن مزید گزرے تو ایک دن اس نے ہمیں بلایا اور کہنے لگا: ''دانش! تمھیں یاد ہے کہ تمھارے پاس بھی میرے جیسی گھڑی تھی؟''

ہمیں غصہ تو آیا مگر بولے: ''اچھا تو پھر؟''

''تمھارے پاس اس کے اسٹیپ ہوں گے؟'' اس نے سوال کیا۔

ہمیں پہلے اگر شک تھا تو اب یقین ہو گیا کہ یہ ہماری ہی گھڑی ہے، کیوں کہ ہم نے گھڑی ساز سے اپنی گھڑی چھوٹی کروائی تھی اور اس کی چین کے چند پرزے نکلوا کر اپنے پاس رکھ لیے تھے تا کہ گھڑی ہمارے کلائی پر فٹ آئے اور نکل کر گرے نہیں۔ اب گھڑی چھوٹی ہونے کی وجہ سے اس کے ہاتھ پر نہیں آ رہی تھی اور وہ ہم سے گھڑی کے باقی پرزے بھی مانگ رہا تھا۔

''اصل میں گھڑی میرے ہاتھ پر چھوٹی ہے تو بڑی کروانی ہے۔''

''یار تم نے جس دکاندار سے یہ گھڑی لی تھی، اسی کو واپس کر دو۔''

ہم نے پینترا پھینکا۔

''نہیں دکاندار نے مجھے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ واپس نہیں کروں گا۔''

اس نے ہمارا پینترا الٹ دیا۔

''مجھے پہلے دکان دار کے پاس لے کر چلو تا کہ مجھے معلوم تو ہو کہ یہ گھڑی تم نے اس سے خریدی بھی ہے یا نہیں؟''

ہم نے اپنی تصدیق کرنی ضروری سمجھی۔

اس نے مجھے گھورا لیکن پھر بولا: ''ٹھیک ہے میں لے چلوں گا۔''

چند دن بعد وہ مجھے ایک گھڑی ساز کے پاس لے گیا۔

گھڑی ساز اس کو دیکھ کر پہچان گیا۔ سلام دعا کے بعد اس نے گھڑی ساز سے کہا:

''چند دن پہلے میں نے آپ سے ایک (OK) کی گھڑی خریدی تھی۔''

گھڑی ساز نے جواب دیا: ''نہیں وہ (OK) کی نہیں (CK) گھڑی تھی۔''

وہ لڑکا کہنے لگا: ''خیر ایک ہی بات ہے نا۔''

ہم نے اس لڑکے سے کہا: ''گھڑی نکال کر اس کو دکھاؤ۔''

اب اس نے بہانہ بنایا: ''وہ تو میں گھر بھول آیا ہوں۔ خیر تمھیں لے تو آیا ہوں نا دکان پر، بات بھی کروا دی ہے، اب تم نے دینے ہے اسٹیپ تو دے دو۔''

ابھی شش و پنج میں تھے کہ اس نے اگلا وار کیا:

''ویسے بھی تمھارے کس کام کے ہیں، دے دو مجھے، میری گھڑی ٹھیک ہو جائے گی۔''

اور ہم اتنے معصوم کہ اس کی باتوں میں آ گئے اور اسے اسٹیپ دے دیے۔

اس نے سٹیپ لے کر ایک یا دو دن بعد ہمیں وہ گھڑی اپنے ہاتھ پر سجا کر دکھائی، اس وقت اچانک اس کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے:

''یار! ویسے بہت ہی چھوٹی گھڑی پہنتا ہے تو۔''

ہم نے فوراً کہا: ''دیکھا نکل گیا نا تمھارے منہ سے کہ گھڑی میری ہے۔''

وہ فوراً ہی مکر گیا: ''میں نے کب کہا ہے؟''

یہ کہتے ہی اس نے ہمیں دھکا دیا۔ ہم ڈر گئے کہ یہ پھر فضول کی مار دھاڑ نہ شروع کر دے ہمارے ساتھ، اس لیے ہم وہاں سے چلے گئے۔

وہ لڑکا حافظ قرآن بن چکا تھا اور ہم ابھی ابتدائی سپاروں میں تھے، اس لیے ایک دو ماہ بعد ہی وہ مدرسے سے چلا گیا۔

☆......☆

چند سال بعد جب کہ ہم بھی حافظ قرآن بن چکے تھے ہماری ملاقات اپنے ایک مدرسے کے ساتھی حافظ محمد زوہیب سے ہوئی۔

باتوں کے دوران میں اس نے کہا کہ یار وہ فلاں لڑکا تھا ناں، وہ میرے گھر کے سامنے رہتا تھا، ابھی چند دن پہلے ہی یہاں سے گھر چھوڑ کر گیا ہے، اس نے جانے سے پہلے تمھارے لیے ایک گھڑی دی تھی وہ لے لو۔''

یہ کہہ کر زوہیب نے جیب سے ایک بہت ہی بری سی گھٹیا گھڑی نکال کر ہمارے ہاتھ پر رکھ دی۔ اس میں وقت بھی خراب تھا۔ ہم نے وقت کو ٹھیک کیا لیکن وہ پانچ منٹ میں ہی

دوبارہ خراب ہوگیا۔یعنی اُس لڑکے نے اتنے سال بعد ہمیں ہماری قیمتی گھڑی کے بدلے ایک خراب گھڑی پکڑادی تھی۔

ہم نے سوچا کہ گھڑی واپس کردیں لیکن پھر سوچا کہ زوہیب بے چارے کو معاملے کا علم ہی نہیں ہے تو پھر اس کو کیوں بتائیں اور غیبت کریں اب بھی کون سا ہمیں وہ گھڑی واپس مل جائے گی، سو اس کو کچھ نہ بتایا، واپسی پر ہم نے وہ گھڑی کچرے دان کی نذر کردی۔

☆☆☆

(خصوصی طور پر بچوں کا اسلام کے نوعمر قارئین کے لیے سہل اور عام فہم انداز میں تلخیص کیا گیا!)

100

میر حجاز

اختر حسین عزمی

’’بنی غفار کے تالاب کے پاس مقام تناضب پر تینوں جمع ہوں گے اور پھر وہاں سے اکٹھے یثرب کو روانہ ہوں گے۔ اگر وقت مقررہ پر کوئی نہ پہنچ سکا تو مزید انتظار کیے بغیر باقی روانہ ہوجائیں گے۔‘‘

یہ طے کر کے حضرت عمر بن خطاب، عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سفر کی تیاریوں میں لگ گئے۔

صبح حضرت عمر بن خطاب نے اپنی تلوار گلے میں حمائل کی، کندھے پر کمان رکھی، تیر اپنی مٹھی میں لیے، چھوٹا نیزہ اپنی کمر کے ساتھ آویزاں کیا اور طواف کعبہ کے لیے حرم میں پہنچے۔

سارے قریش عمر کے کروفر کو دیکھ کر حیران تھے۔طواف مکمل کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پاس انھوں نے دو نفل پڑھے اور پھر قریش کی ایک ایک مجلس کے پاس گئے اور انھیں مخاطب کیا:

’’تمھارے چہروں پر پھٹکار، اللہ ان ناکوں کو خاک آلود کرے، جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی ماں اس کو روئے، اس کی اولاد یتیم ہو، اس کی بیوی بیوہ ہوجائے تو وہ اس وادی کی دوسری جانب آجائے اور مجھ سے مقابلہ کرے۔‘‘

عمرؓ بن خطاب کے اس اعلان پر کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ اس چیلنج کو قبول کرتا، چنانچہ حضرت عمر مکے سے اعلانیہ روانہ ہوئے۔

وقت مقررہ تک عمر بن خطاب اور عیاش بن ابی ربیعہ مقام تناضب پر پہنچ گئے لیکن ہشام بن عاص وہاں نہ پہنچ سکے، چنانچہ وہ دونوں مزید انتظار کیے بغیر یثرب کو روانہ ہوگئے۔منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے دونوں بخیرو عافیت قبا میں پہنچ گئے۔

☆☆

ابوجہل اور اس کے بھائی حارث بن ہشام کو جب پتا چلا کہ ان کا چچازاد بھائی عیاش بن ابی ربیعہ یثرب چلا گیا ہے تو وہ اس کے تعاقب میں یثرب پہنچ گئے۔

عیاش ان کا چچازاد ہی نہیں ماں جایا بھی تھا۔وہاں پہنچ کر انھوں نے حضرت عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اور انھیں کہا:

’’تیری ماں کو جب سے تیری ہجرت کا علم ہوا ہے، اس نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تجھے دیکھے گی نہیں، اپنے بالوں میں کنگھی کرے گی نہ سائے میں بیٹھے گی۔‘‘

ماں کا حال سن کر عیاشؓ کا دل پسیج گیا اور وہ واپس جانے پر تیار ہوگئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ معاملہ دیکھا تو انھوں نے علیحدگی میں انھیں سمجھایا:

’’اے عیاش! یہ تیرے بھائی تیرے ساتھ دھوکا کررہے ہیں، ان سے ہوشیار رہو۔ یہ تجھے دین اسلام سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

’’لیکن معاملہ ماں کا ہے، میں ایک دفعہ چلا جاتا ہوں تا کہ ماں کی قسم پوری ہوجائے۔‘‘ عیاش نے کہا۔

’’واللہ! جس وقت تیری ماں کو جوئیں کاٹیں گی تو وہ خود بخود کنگھی کرے گی اور جب مکہ کی کڑکتی دھوپ اس پر آگ برسائے گی تو وہ خود ہی سائے میں جا کر بیٹھ جائے گی۔‘‘

حضرت عمر نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

’’میں اپنا مال بھی نہیں لے کر آیا، آئندہ میں وہ بھی لے کر آؤں گا۔‘‘ حضرت عیاش نے دلیل دی۔

’’میرے پاس مال کی کمی نہیں، میں اپنا آدھا مال تجھے دے دیتا ہوں، تو وہ لے لے اور ان لوگوں کے دام فریب کا شکار نہ ہو۔‘‘

انھوں نے عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سمجھانے کے لیے پورا زور لگادیا لیکن وہ واپس جانے پر ہی مصر تھے۔

ان کا یہ اصرار دیکھ کر بالآخر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں کہا:

’’اچھا اگر تم میری بات نہیں مانتے تو ایسا کرو میری یہ اُونٹنی لے جاؤ۔ یہ بڑی تیز رفتار اور فرمانبردار ہے، دوران سفر اگر تمھیں اپنے مشرک بھائیوں کی طرف سے کوئی شک و شبہ گزرے تو اس کو ایڑ لگانا، یہ تمھیں ان کے چنگل سے نکال لے جائے گی۔‘‘

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ نے ان کی اُونٹنی لے لی اور اس پر سوار ہوکر ابوجہل اور حارث کے ہمراہ مکے کو روانہ ہوگئے۔

جب وہ مکے سے ایک منزل دور تھے تو ابوجہل نے عیاش سے کہا:

’’میرے بھائی! میں نے اپنے اُونٹ کو بہت مشقت دی، اب وہ تھک گیا ہے۔کیا تم اپنی اُونٹنی پر مجھے اپنے پیچھے نہیں بٹھا لیتے تا کہ میرا اُونٹ کچھ سستالے۔‘‘

’’ہاں کیوں نہیں، پس تینوں نے اپنی اپنی سواریوں کو بٹھایا تا کہ ابوجہل عیاش کے پیچھے ان کی اُونٹنی پر سوار ہو جائے۔

جب وہ تینوں اتر گئے، ان دونوں نے طے شدہ منصوبے کے مطابق عیاش کو پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ پاؤں رسّی سے جکڑ دیے اور اسی حالت میں اُونٹنی پر ڈال لیا اور دن کی روشنی میں مکہ میں داخل ہوئے اور جہاں سے گزرتے لوگ انھیں دیکھنے کے لیے جمع ہوجاتے اور وہ انھیں کہتے:

’’اے اہل مکہ! تم بھی اپنے بیوقوفوں کے ساتھ یہی سلوک کرو جو ہم نے اپنے اس احمق کے ساتھ کیا ہے۔‘‘

دونوں مکاروں نے باری باری حضرت عیاش بن ابی ربیعہ کو سو سو درے لگائے اور پھر انھیں چلچلاتی دھوپ میں پھینک دیا۔

ان کی ماں نے قسم کھائی: ’’جب تک یہ دین اسلام ترک نہیں کرے گا، اس کی رسیاں نہیں کھولی جائیں گی اور یہ یونہی تڑپ تڑپ کر جان دے دے گا۔‘‘

☆☆

(جاری ہے)

حیرت انگیز آفر! 50% OFF
اشتیاق احمد کے تمام ناول اور کتابیں آدھی قیمت پر
ہزاروں کتابیں ایک کلک پر
ہم نے آباد کیا ہے آپ کے لیے
کتابوں کا ایک نیا جہاں
بچوں کی تعلیم و تربیت اور تفریح کے لیے خوبصورت کتب پر مشتمل کتاب نگر میں خوش آمدید!
گھر بیٹھے کتابوں کی خریداری کے لیے ہماری ویب سائٹ "کتاب نگر" وزٹ کیجیے اور حاصل کیجیے بے شمار کتابیں وہ بھی حیرت انگیز ڈسکاؤنٹ پر۔
نوٹ: یہ آفر محدود مدت کے لیے ہے۔
ہماری ویب سائٹ پر آرڈر کرنے کا طریقہ:
اشتیاق احمد کے ناول اور کتابیں آرڈر کرنے کے لیے ویب سائٹ کے ہوم پیج کے دائیں طرف Categories پر کلک کریں اور پھر "Ishtiaq Ahmed" پر کلک کریں، اپنے مطلوبہ ناول کے ٹائٹل کے نیچے "ADD TO CART" کے بٹن پر کلک کرتے جائیں، آپ اوپر دائیں جانب بنے باسکٹ کے نشان کے پر اپنی منتخب کردہ کتب کی کل قیمت دیکھ سکتے ہیں۔ آرڈر فائنل کرنے کے لیے اُس باسکٹ کے نشان پر کلک کر کے ایک مرتبہ رعایتی بل اور ڈیلیوری چارجز دیکھ کر "CHECKOUT" کے بٹن پر کلک کر دیں۔ اپنا مکمل نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر کی مکمل تفصیلات درج کر کے "Place Order" پر کلک کر دیں۔ آپ کا آرڈر ہمیں موصول ہو جائے گا۔ کال کنفرمیشن کے بعد آپ کا پارسل پانچ سے سات دن تک ڈیلیور ہو جائے گا۔ شکریہ
ویب سائٹ: www.kitaabnagar.com

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆ چچا جان! شمارہ ۱۰۹۹ میرے ہاتھوں میں ہے۔ دستک کے بعد 'مختصر پر اثر' میں 'امور غیر اختیاری' پڑھ کر علم میں بہت اضافہ ہوا۔ 'خزانے کی چابی' پڑھتے ہی بے اختیار منہ سے نکلا اللہ آپ کا شکر ہے۔ 'صرف ایک منٹ' انتہائی حیرت انگیز تھی۔ 'اعتراف' کمال کہانی تھی۔ کالے کمبل کی کہانی پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ 'حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسکراہٹیں' پڑھ کر چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ 'موتی چور کے لڈو' بہت دلچسپ کہانی تھی۔ چچا جان براہِ مہربانی خط شائع کر دیجیے گا، نہیں تو میں مایوس ہو کر خط لکھنا چھوڑ دوں گا۔ (حافظ میر محمد بن عاصم حفیظ میر۔ لاہور)

ج: یہ دھمکی ہے، شرط ہے یا اطلاع؟ خیر ہم نے شرط پوری کر دی، اب ایک ہفتے کے اندر اندر آپ کا خط آ جانا چاہیے ورنہ پھر ہم دھمکائیں گے!

☆ شمارہ ۱۱۰۱ میں ماہِ ربیع الاول کے حوالے سے خوب صورت تصاویر، کہانیوں نے ایمان کو جلا بخشی۔ پرزور درخواست کروں گا قیامت قریب ہے لہٰذا اب آپ ہر رسالے میں ایسا مواد شائع کیا کیجیے جو قیامت کی یاد دلا دے، اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔ ہر ہفتے درود و سلام پیش کرنے والی کاوش پر اللہ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہ عملی قدم بڑھانا ان شاء اللہ العزیز جنت میں ہم سب کے لیے حضور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا ذریعہ ہوگا۔ (حافظ محمد احمد بن عرفان الحق۔ ملتان)

ج: آدھے سے زیادہ یعنی دو تہائی رسالہ قیامت ہی کی تو یاد دلاتا ہے حافظ صاحب!

☆ بچوں کا اسلام کے 'گیارہ سو' ہفتے مکمل ہونے پر بہت مبارک! اپنے لاڈلے بچوں کا اسلام کے بغیر ہمارا اتوار پھیکا گزرتا ہے۔ اللہ پاک بچوں کا اسلام کے گیارہ ہزار ہفتے بھی عافیت سے پورے فرمائے، آمین۔ اچھا جی تبصرہ تو ہم کرتے رہتے ہیں، آج تو ایک بات عرض کرنے حاضر ہوئے ہیں۔ بات کچھ یوں ہے کہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ رسائل صحیح نہیں ہوتے، اُن میں جھوٹی کہانیاں ہوتی ہیں۔ ان کو پڑھنا فضول اور وقت کا ضیاع ہے۔ پڑھنا ہے تو اکابر کے واقعات پڑھو وغیرہ وغیرہ۔ آپ اس بارے میں کچھ وضاحت فرما دیں، تاکہ ایسی باتیں کرنے والوں کو تسلی بخش جواب دیا جا سکے۔ (بنت البحر۔ ٹنڈو آدم)

ج: تفصیلی اور مدلل جواب تو یہاں خط کے جواب میں نہیں دیا جا سکتا، اس پر تو بات دستک ہی میں ہو سکتی ہے، مختصر یہ بات ایسے لوگوں کو سمجھنی چاہیے کہ جو بات انھیں جھوٹی، غیر شرعی اور وقت کا ضیاع لگ رہی ہے، پھر وہ اکابر کیوں شروع کرتے؟ مفتیان کرام اور اللہ والوں کی سرپرستی میں کیوں شروع ہوتا؟ اس سے تو ایک آپ کے مقابلے میں ان سب کا جھوٹ اور فضولیات کو پسند کرنا ٹھہرتا ہے۔

☆ مدیر چچا جان! یہ میرا کسی بھی رسالے میں پہلا خط ہے۔ شمارہ ۱۰۹۳ سامنے ہے۔ سرورق پر مچھلیاں اچھل رہی ہیں۔ پہلے صفحے پر بجائے اداریے کے 'لاڈلا ہاتھی' براجمان ہے۔ اگلے صفحے پر پروفیسر اسلم بیگ 'صبح کی ہوا لاکھوں کی دوا' میں ایک بھرپور نصیحت کر رہے ہیں۔ احمد حاطب صدیقی نے ایک بہترین نظم پیش کی۔ 'میر حجاز' کے تو کیا ہی کہنے۔ خوب اچھا سلسلہ ہے۔ 'آم کہانی' تو رسالے کی نمبرون کہانی تھی۔ عبدالصمد بھٹی نے مچھلیوں کے بارے میں بتا کر ہماری معلومات میں اضافہ کیا۔ 'ایڈیٹر کا جواب' بھی اچھی تحریر تھی۔ (رانا محمد جریر احمد۔ شورکوٹ)

ج: کبھی کبھار صفحہ نمبر ۲ پر مدیر کے قلم کی بجائے مچھلیوں کو بھی اچھلنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

☆ کسی مصروفیت کی وجہ سے مسلسل تین شماروں کا نہ مطالعہ کر سکے نہ ان پر تبصرہ لکھ سکے۔ اب ذرا فرصت ملی تو مطالعہ کیا اور تبصرہ لکھا شمارہ ۱۰۹۴ کا سرورق سرسبز و شاداب تھا۔ آپ کی 'دستک' میں بیان کردہ روداد مزیدار ہے۔ سلسلہ آمنے سامنے میں ہمارے خط کے جواب میں جو درخواست آپ نے کی، اس خط کے ساتھ وہ واقعہ ہم نے لکھ کر روانہ کر دیا ہے۔ خطوط مختصر سے تھے مگر ان میں حفصہ بی بی کا خط نمایاں تھا۔ ہمارا خط غائب تھا۔ شمار ۱۰۹۶ کی کہانی 'سب سے پیاری چیز' سب سے پیاری تھی۔ 'زندہ پہیلی' سائنسی معلومات والی تھی۔ پسِ پشت دونوں تحریریں شان دار تھیں۔ 'آمنے سامنے' کے سارے خطوط ہی دلچسپ تھے خاص کر آٹھ جوابات والا خط تو سب سے الگ ہی تھا، کاش ہمارے خط کے بھی اتنے جواب ہوں۔ ہماری انعام والی کتابیں 'دل پہ دستک' اور 'آئینہ گفتار' ابھی تک نہیں ملیں۔

(محمد اشرف۔ حاصل پور)

ج: اب تک تو آپ سمیت سب کو مل چکا ہے انعام۔

☆ 'ذکر ایک رات کا' اس کہانی نے مجھے بہت ہنسایا۔ 'تمھیں اب وقت ہی سکھائے گا!' یہ کہانی سن کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ اشتیاق احمدؒ کے جاسوسی ناول کے بارے میں سن کر بہت خوشی ہوئی۔ خالہ نے میرے سامنے مدیر چاچو بولا تو مجھے ہنسی آ گئی۔ (زینب بی بی۔ ٹیکسلا)

ج: ہمیں آپ کا خط پڑھ کر ہنسی آ گئی۔

☆ مدیر چچا! ہم نے آج سے مستقل بچوں کا اسلام کی لکھاری بننے کا ارادہ کیا ہے۔ اس ارادے کو ابھارنے کے لیے ہم اپنی سہیلی رباب کے بے حد شکر گزار ہیں اور ان آنٹی کے بھی جو جاری سال کے سفرِ حج میں ہماری رفیق تھیں۔ اس وقت ہمارے ہاتھ میں بچوں کا اسلام کا تازہ ترین شمارہ ۱۰۹۷ موجود ہے۔ سرورق کی کہانیوں میں سے ایک 'اَن پڑھ طلبہ' عبرت کا پیغام دے رہی تھی تو دوسری 'پھلوں کے نرغے میں' فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم 'تھادو تحبوا' کا درس دے رہی تھی۔ 'آپ کتنے پانی میں ہیں؟' بہت ہی مفید اور معلوماتی سوالات سے آراستہ ہوتا ہے، ہمیں اس سے بہت ہی فائدہ ہو رہا ہے۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ اگر پہلے کے چار سوالوں میں ہم بازی لے بھی جائیں تو آخری سوال ہمیں لے ڈوبتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور رسالے کو عافیت سے رکھے، آمین!

(بنت ذوالفقار۔ رحیم یار خان)

ج: ویسے صرف ایک ہفتے کے لیے کسی سوال کے سوچ بچار میں ڈوبنا تو کوئی مسئلے کی بات نہیں۔ اگلے ہفتے جواب آ جاتا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ اس ایک ہفتے میں اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کیا کیجیے۔

ضروری اعلان

رسائل گھر بیٹھے حاصل کیجیے!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

اطلاعاً عرض ہے کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی کی وجہ سے روزنامہ اسلام کے صرف اسلام آباد اور لاہور ایڈیشن کو پہلی جنوری سے بند کردیا گیا ہے، لیکن الحمدللہ مرکزی دفتر کراچی اور ملتان سے بدستور اخبار چھپ رہا ہے، نیز دونوں ہفت روزے بچوں کا اسلام اور خواتین کا اسلام بھی اسی آب وتاب سے اتوار اور بدھ کو شائع ہورہے ہیں!

قارئین جو یہ سطور پڑھ رہے ہیں، ان سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اپنے رشتے داروں، دوستوں اور دائرہ بچوں/خواتین کا اسلام کے اُن قارئین کو جنھیں آپ کسی طرح بھی جانتے ہیں اور انھیں رسائل نہیں مل پا رہے، ہاکر انھیں منع کررہے ہیں تو براہِ کرم ہماری نمائندگی کرتے ہوئے اُن تک یہ بات پہنچائیے کہ بالکل پریشان نہ ہوں، دونوں رسائل باقاعدگی سے شائع ہورہے ہیں اور ہر شہر کی ایجنسی کے پاس حسب سابق پہنچ بھی رہے ہیں۔

پھر بھی اگر کسی وجہ سے آپ کی رسائی آپ کے محبوب رسائل تک نہیں ہورہی تو ایک بہت آسان اور سہولت والا طریقہ یہ ہے کہ کراچی دفتر رابطہ کرکے اپنے گھر کے پتے پر دونوں یا کوئی بھی ایک رسالہ سال بھر کے لیے لگوا لیجیے۔

یہ طریقہ بہت آسان بھی ہے اور نسبتاً سستا بھی۔ بازار ہاکر کے پاس جاکر رسالہ خرید لانے میں پھر بھی کچھ وقت اور کرایہ وغیرہ لگتا ہے، جبکہ سالانہ ممبرشپ لینے سے آپ کے رسائل کراچی دفتر سے براہِ راست آپ کے پڑھنے کی میز پر اسی دن بلکہ ایک آدھ دن پہلے ہی پہنچ جاتے ہیں اور وہ بھی کسی قسم کا اضافی خرچ کیے بغیر۔ جی ہاں! دونوں رسائل کی ہوم ڈیلیوری بالکل مفت رکھی جارہی ہے۔ آپ کی طرف سے ڈاک خرچ ادارہ ادا کرے گا۔ آپ صرف شمارے کی قیمت جو چالیس روپے ہے اور سرورق پر لکھی ہوئی ہے، وہ ادا کیجیے اور پورے سال کے باون ہفتے اپنے گھر کی چوکھٹ پر اپنے لاڈلے رسائل کو حاصل کیجیے۔

چالیس روپے فی شمارے کے حساب سے سال کے باون ہفتوں کے کل اکیس سو روپے ہوتے ہیں، آپ سو روپے مزید کم کرتے ہوئے صرف مبلغ دو ہزار روپے فی شمارہ (یا دونوں رسائل کے چار ہزار روپے) ادا کیجیے اور پورے سال گھر بیٹھے رسائل حاصل کیجیے۔

طریقہ کار بہت آسان ہے:

رابطہ نمبر (03213557807) پر ایزی پیسہ کا اکاؤنٹ موجود ہے۔ اسی طرح آپ یہ رقم ہمارے بینک اکاؤنٹ میں بھی جمع کرا سکتے ہیں (بینک اکاؤنٹ کی تفصیل ذیل میں دی جارہی ہے)۔ دونوں میگزین کے چار ہزار روپے یا کسی بھی ایک میگزین کے دو ہزار روپے اپنی سہولت کے مطابق ایزی پیسہ کروائیے یا بینک اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کردیجیے، بعد ازاں پیسے بھیجنے کی کمپنی رسید اور اپنا مکمل پتا اسی نمبر پر واٹس ایپ کرکے حکم کیجیے کہ آپ کے نام رسائل جاری کردیے جائیں۔ فون پر رابطہ کرنا چاہیں تو اسی نمبر پر علاوہ اتوار، دفتری اوقات صبح نو سے شام چار بجے تک کال بھی کرسکتے ہیں۔

اس ترتیب کے علاوہ اگر آپ ہر ہفتے ہی رسائل خریدنا چاہتے ہیں تو اپنے اپنے شہر کے ہاکر کو بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ آپ کو اخبار مارکیٹ کی ایجنسی سے شمارہ حسب سابق لا کردے۔ اگر ہاکر منع کردے تو شہروں کے ایجنسیوں کے نمبر بھی ذیل میں دیے جارہے ہیں، فون کرکے ان سے منگوا لیجیے۔

لاہور:	شفیق صاحب	(03324776628)
اسلام آباد:	عدنان صاحب	(03005151136)
ملتان:	ملک ایوب صاحب	(03007353405)
کراچی:	اسلم صاحب	(03002125353)

دعا ہے کہ ہمارا آپ کا ساتھ تادیر رہے اور بخیر وعافیت رہے، آمین!

مدیر
روزنامہ اسلام

Account Title: Daily Islam
Bank Account No: 0758-1006122719
Bank Alfalah Nazimabad No 6 Karachi.